سلسلۂ دار المصنفین

((۵۰))

ہماری بادشاہی

یعنی آغاز اسلام سے لیکر عرب و مصر و شام و عراق و ایران و ترکستان

افغانستان و ہندوستان و روم و اندلس کی پوری مختصر اسلامی تاریخ

......((جو))......

اسلامی مدرسوں کے بچوں کے لئے لکھی گئی

از

مولوی عبد السلام صاحب قدوائی ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپی

شش دہم [illegible]

کتبہ اقبال احمد

۸۶،

فہرست مضامین

ہماری بادشاہی

مضمون	صفحہ
پہلا باب	
حضورؐ سے پہلے دنیا کی حالت	۱
آنحضرتؐ کا زمانہ	۳ - ۲۵
آپؐ کی پیدائش اور شروع کے حالات	〃
اللہ کا پیام	۵
طائف و مدینہ	۸
ہجرت	〃
بدر کی لڑائی ۲ھ	۱۰
احد ۳ھ	۱۱
خندق ۵ھ	۱۳
صلح حدیبیہ	۱۴
بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ۶ھ	۱۶
غزوۂ خیبر ۷ھ	〃
فتحِ مکہ ۸ھ	۱۷
حنین	۱۹
غزوۂ تبوک ۹ھ	۲۰
آخری حج	۲۱
آنحضرتؐ کی وفات	۲۳
اسلام کا اثر	۲۴
دوسرا باب	
خلافتِ راشدہ	۲۶ - ۴۲

مضمون	صفحہ
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۲۶-۳۲
روم و ایران	۲۷
یرموک	۲۸
حضرت ابوبکرؓ کی وفات	۲۹
حضرت عمر فاروقؓ	۳۲-۴۳
ایران	۳۲
شام	۳۶
مصر	۳۷
حضرت عمرؓ کی وفات	۳۹
حضرت عمرؓ کے کارنامے	۴۰
نظامِ خلافت	۴۱
حضرت عثمانؓ	۴۲-۵۴
فتوحات	۴۴
مسلمانوں میں تفرقہ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت	۴۶
حضرت علیؓ	۵۵-۶۲
آپس کے جھگڑے	۵۵
جنگ جمل	۵۷
صفین کی لڑائی	۵۷
حضرت علیؓ کی شہادت	۶۰
حضرت امام حسنؓ	۶۲
تیسرا باب	
بنی امیہ کی خلافت	۶۳-۶۷
حضرت امیر معاویہؓ	۶۳
ملک کا انتظام	۶۵
فتوحات	״
ولی عہدی	״
یزید	۶۸
حضرت امام حسینؓ کی شہادت	۷۰
مدینہ منورہ پر چڑھائی	۷۱
مروان	۷۲
عبدالملک	۷۳-۷۵
ولید	۷۶
سلیمان	۷۷
حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ	۷۸

مضمون	صفحہ
یزید بن عبدالملک	۷۹
ہشام	"
ولید دوم	۸۰
یزید سوم	"
مروان دوم	۸۱
چوتھا باب **بنی عبّاس**	۸۳-۱۲۰
ابوالعباس سفّاح	۸۳
منصور	۸۴
مہدی	۸۶
ہادی	۸۷
ہارون رشید	"
برامکہ	
امین	
مامون	
حکومت زیادیہ، اغالبہ اور طاہریہ	
معتصم	

مضمون	صفحہ
واثق	۹۵
متوکل	"
منتصر	۹۶
مستعین، معتز، مہتدی	۹۷
معتمد	۹۸
معتضد	۱۰۰
مکتفی	۱۰۱
مقتدر	۱۰۲
قاہر، راضی	۱۰۳
متقی، مستکفی	۱۰۵
مطیع	۱۰۷
طائع ، قادر	۱۰۸
قائم	۱۰۹
مقتدی، مستظہر	۱۱۱
مسترشد، راشد	۱۱۴
مقتفی	۱۱۵
مستنجد، مستضی	۱۱۸
ناصر، ظاہر، مستنصر	۱۱۹
مستعصم	۱۲۰

مضمون	صفحہ
پانچواں باب	
مصر کی عباسی خلافت	۱۲۱-۱۲۳
چھٹا باب	
اندلس	۱۲۴-۱۳۰
بنواحمر	۱۲۹
ساتواں باب	
ترک	۱۳۱-۱۶۱
ارطغرل	۱۳۱
غازی عثمان خان	۱۳۳
اورخان	۱۳۴
سلطان مراد اول	۱۳۵
" بایزید اول	۱۳۷
" محمد اول چلپی	۱۳۹
" مراد دوم	۱۴۰
" محمد فاتح	۱۴۲

مضمون	صفحہ
سلطان بایزید دوم	۱۴۳
" سلیم اول	۱۴۴
" سلیمان اعظم	۱۴۵
" سلیم دوم	۱۴۶
" مراد سوم	۱۴۷
" محمد سوم	۱۴۸
" احمد اول	"
" مصطفیٰ اول	۱۴۹
" عثمان دوم	"
" مراد چہارم	۱۵۰
" ابراہیم	۱۵۱
" محمد چہارم	"
" سلیمان دوم	۱۵۲
" احمد دوم، مصطفیٰ دوم	۱۵۳
" احمد سوم	۱۵۴
" محمود اول	۱۵۵
" عثمان سوم	۱۵۶
" مصطفیٰ سوم	"

مضمون	صفحہ
سلطان عبدالحمید اول	۱۵۷
〃 سلیم ثالث	〃
〃 مصطفےٰ چہارم	۱۵۹
〃 محمود ثانی	۱۶۰
〃 عبدالمجید اول	۱۶۲
〃 عبدالعزیز	۱۶۳
〃 مراد پنجم	〃
〃 عبدالحمید ثانی	〃
〃 محمد پنجم	۱۶۵
جنگ جرمنی یا جنگ عظیم	〃
سلطان عبدالوحید	۱۶۶
〃 عبدالمجید دوم	۱۶۷
مصطفےٰ کمال	〃
آٹھواں باب	
ہندوستان	۱۶۷-۱۶۹
غزنوی بادشاہ	۱۷۱
غوری خاندان	۱۷۲
غلام خاندان	۱۷۲
تغلق	۱۷۳
مغل	۱۷۵
نواں باب	
خاتمہ	۱۸۴-۱۷۸
موجودہ حالت	۱۷۸
موجودہ اسلامی حکومتیں	
پاکستان	۱۸۰
افغانستان	۱۸۲
ایران	〃
جمہوریۂ ترک	〃
مصر	۱۸۲
سعودی عرب	۱۸۳
عراق	〃
اردن	〃
شام	〃
یمن	۱۸۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سوڈان	١٨٣	بحرین	١٨٦
سمالیہ	″	قطر	″
لیبیا	″	مسقط	″
الجیریا	١٨٤	عمان	″
ٹیونس	١٨٤	زنجبار	″
مراکش	١٨٥	مالدیپ	″
نائجیریا	١٨٥	انڈونیشیا	١٨٦
جمہوریہ مالی	″	ملایا	١٨٧
کویت	١٨٦	دنیا کے دوسرے ملکوں میں مسلمانوں	١٨٧
لبنان	″	کی تعداد	

ہمارے چھوٹے بچوں کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو اُن کو اپنی تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کرسکے، ہمارے لائق عزیز مولوی عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی (اور جامعی بھی)، مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) نے اسی ضرورت کو سامنے رکھکر یہ کتاب لکھی ہے، اور اسی لیے اس کی عبارت سادہ، طرزِ ادا سہل اور لفظ چن چن کر آسان رکھے گئے ہیں اور زبان ایسی اختیار کی گئی ہے جو اُن کے لیے دلچسپ اور پسندیدہ ہو، واقعے مختصر لکھے گئے ہیں کہ وہ ان کو یاد رکھ سکیں، موقع موقع سے ان کی قومی نخوت اور مذہبی غیرت کو بیدار کیا گیا ہے تاکہ تاریخ کا فائدہ حاصل کریں۔

یہ مسلمانوں کی اُن تمام بڑی بڑی سلطنتوں کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں روئے زمین کے اطراف میں انھوں نے قائم کیں، گو تمام سلطنتوں کا اس میں استقصا نہیں کیا گیا ہے، تاہم کوئی بڑی سلطنت چھوٹنے نہیں پائی ہے، خلافتِ عباسیہ کے قیام تک

اس کے تحت کی بادشاہیوں اور ریاستوں کا حال الگ نہیں بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ لکھا گیا ہے اور کسی کسی کا ذکر حاشیوں میں کر دیا گیا ہے،

دعا ہے کہ یہ کتاب بچّوں میں مقبول ہو اور اس سے اُن کو فائدہ پہنچے، اسکولوں، مدرسوں اور مکتبوں کے کارکنوں اور معلموں سے درخواست ہے کہ وہ اس کو اپنے نصابِ تعلیم میں جگہ دیکر اسلامی نصاب کی ایک بڑی کمی پوری کریں۔

سید سلیمان ندوی
ناظم دار المصنفین اعظم گڈھ

۵ رجمادی الاولی ۱۳۵۵ھ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ

مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

پہلا باب

حضور سے پہلے دنیا کی حالت

تم نے عرب کا نام سنا ہوگا، اب سے کوئی چودہ سو [۱۴۰۰] برس پہلے وہاں عجب اندھیر مچا ہوا تھا، اللہ اور اس کے دین کو لوگ بالکل بھول گئے تھے، ایک خدا کی جگہ سیکڑوں دیوی دیوتا بن چکے تھے، کعبہ جو صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا، اب اس میں ایک دو نہیں پورے تین سو ساٹھ [۳۶۰] بت رکھے ہوئے تھے، جن کی پوجا ہوتی تھی، اسی پر بس نہ تھا بلکہ ہر ہر خاندان اور خاندان ہی نہیں، ہر ہر گھر میں الگ الگ بت دھرے ہوئے تھے جنکی پوجا ضروری تھی، یہ لوگ دنیا ہی کی زندگی پر مگن تھے، کبھی بھولے سے بھی انہیں مرنے کا خیال نہ آتا،

احساس تھا بھی تو صرف اتنا ہی کہ ایک دن مر کر سڑ گل جائیں گے، رہا مرنے کے بعد عذاب و ثواب تو ایسی باتوں کو بے سر و پا خرافات سمجھتے تھے نہ قیامت کو مانتے تھے نہ دوزخ کا یقین تھا، بلکہ جو ان چیزوں کا ذکر کرتا تھا، اسے پاگل اور خبطی سمجھتے تھے، اسی خیال کا اثر تھا کہ وہ نیکی سے کوسوں دور تھے، دنیا کی کونسی برائی تھی جو ان میں نہیں پائی جاتی تھی، ذرا ذرا سی بات پر لڑمرنا اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی، بہت ہی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر لڑائی شروع ہو جاتی، اور ایسی سخت کہ سیکڑوں برس تک ختم نہ ہوتی، لوٹ مار کا حال یہ تھا کہ کسی کا اکیلے نکلنا دشوار تھا، بڑے بڑے قافلوں کے ساتھ لوگ جاتے، لیکن پھر بھی گھر تک صحیح سلامت مشکل ہی سے پہنچ پاتے، چوری کا عام رواج تھا، اچھے اونچے اونچے گھرانے اس میں مبتلا تھے، نامی نامی لوگ اسے کرتے تھے اور فخر سے بیان کرتے تھے، زنا اور بدکاری سارے ملک میں پھیلی ہوئی تھی، شعرا اپنے اشعار میں بیان کرتے اور مزے لے لے کر ہر جگہ گاتے پھرتے، شراب اور جوئے کی تو یہ کثرت تھی کہ خدا کی پناہ، گھر گھر اس کا چرچا تھا، جہاں چار آدمی جمع ہوتے، شراب اور جوا شروع ہو جاتا، اور روپے پیسے سے گذر کر بیوی بچوں تک بازی لگنے لگتی، پھر اس کے ساتھ اور طرح طرح کی بے حیائیاں ہوتیں، بے رحمی کا یہ حال تھا کہ زندہ جانوروں تک کو باندھ کر اُن پر تیر کی مشق کرتے، پیٹ والی عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، دشمنوں کو قتل کر کے اُن کے ناک، کان کاٹتے، اور ہار بنا کر پہنتے، ان کی کھوپڑیوں میں شراب پیتے، لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے۔

جہالت اور بے علمی ایسی تھی کہ سارے عرب میں مشکل سے چند آدمی تھے جو لکھ پڑھ سکتے۔

کھانے پینے میں برے بھلے کی تمیز بالکل نہ تھی، جو پاتے کھا ڈالتے، کیڑے مکوڑے، گوہ چھپکلی تک ہضم کر جاتے، مردہ جانوروں کے کھانے میں ذرا بھی ہرج نہ سمجھتے تھے، خون جما تے

اور اسے کاٹ کاٹ کر بڑے مزے سے کھاتے، غرض کہ کچھ عجب حال تھا، کوئی کہاں تک بیان کرے اور کس کس برائی کو گنائے، بس یہ سمجھ لو کہ دنیا کی ہر برائی اُن میں موجود تھی، یہ صورت صرف عرب ہی کی نہ تھی بلکہ دنیا کا بڑا حصہ برائیوں میں مبتلا تھا، خدا کا خیال دلوں سے نکل گیا تھا، کہیں بتوں کی پوجا ہو رہی تھی، کہیں آگ کو سجدہ کیا جا رہا تھا، کہیں درختوں اور جانوروں کے سامنے سر جھکے ہوئے تھے، کہیں قبروں پر چڑھاوے چڑھ رہے تھے، بادشاہ رعیت پر ظلم کر رہے تھے، بڑے چھوٹوں کو ستا رہے تھے، امیر غریبوں کو تنگ کر رہے تھے، غرض ہر جگہ نیکی کے بدلہ بدی اور اچھائی کی جگہ برائی پھیلی ہوئی تھی، اور ساری دنیا بڑی سخت مصیبت اور پریشانی میں پھنسی ہوئی تھی۔

حضرتؐ کا زمانہ

آپؐ کی پیدائش(۱) اور شروع کے حالات

اوپر پڑھ چکے ہو کہ دنیا کیسی برائیوں میں مبتلا اور کیسی مصیبتوں میں گھری ہوئی تھی اور اس کی حالت کس قدر خراب ہو چکی تھی، اللہ میاں تو اپنے بندوں پر بڑے مہربان ہیں، یہ حالت دیکھ کر انھیں رحم آیا اور اسے پھر سے درست کرنے کے لیے ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دنیا میں بھیجا، ربیع الاول (بارہ وفات) کی ۹ تاریخ تھی، جب حضورؐ اس دنیا میں تشریف لائے، پیدا ہونے سے پہلے ہی آپ کے والد حضرت عبداللہ انتقال فرما چکے تھے، چھ برس کے نہ ہونے پائے تھے کہ والدہ حضرت آمنہ بھی وفات پا گئیں، اور آپ اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کے ساتھ رہنے لگے، نو۹ برس کی عمر میں دادا بھی اس دنیا سے سدھار گئے، اور آپ کے چچا حضرت ابو طالب آپ کی پرورش کرنے لگے،

بچپن ہی سے آپ برے کاموں کو ناپسند فرماتے تھے، اور ہمیشہ نیک کاموں میں لگے رہتے تھے، ابھی پورے طور سے جوان بھی نہ ہوئے تھے، کہ عرب میں ایک انجمن بنائی گئی جس کی غرض یہ تھی کہ ملک سے لوٹ مار، چوری ڈاکہ اور اسی قسم کے برے کام مٹائے جائیں، آپ اس قسم کے کاموں کو دل سے چاہتے تھے، فوراً ہی اس انجمن میں شریک ہو گئے۔

شروع ہی سے آپ کی نیکی، سچائی، دینداری اور امانت اتنی مشہور تھی کہ سب آپ کو امین (امانتدار) کہہ کر پکارتے تھے، دشمن تک آپ کو سچا اور نیک سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ مکہ میں پانی کی ایسی زیادتی ہوئی کہ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں، قریش (یعنی مکہ کے لوگوں) نے پھر سے درست کرانا شروع کیا جب دیواریں کچھ اونچی ہو گئیں اور حجر اسود (وہ مقدس سیاہ پتھر جسے حج میں لوگ چومتے ہیں) کے رکھنے کا وقت آیا تو آپس میں جھگڑا شروع ہوا، ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ پتھر اسی کے ہاتھ سے رکھا جائے، جب بات بہت بڑھی، اور مار پیٹ تک نوبت آئی تو سب نے کہا کہ اس وقت جھگڑنا بیکار ہے کل جو شخص سب سے پہلے آئے وہ اس جھگڑے کو طے کر دے، جو وہ کہے گا ہم سب وہی کریں گے۔

صبح ہوئی اور لوگ آئے تو دیکھا کہ حضورؐ پہلے ہی سے موجود ہیں، دیکھتے ہی چلا اٹھے کہ امین آ گئے، اب ان سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے، حضرتؐ نے ایک چادر بچھائی، حجر اسود اس پر رکھا اور فرمایا کہ ہر خاندان کا ایک ایک آدمی آ جائے اور سب مل جل کر چادر پکڑ لیں، اس طرح اٹھا کر پتھر کو اس کی جگہ تک لائے، یہاں پہنچکر آپ نے فرمایا، اب میں تم سب کی طرف سے اسے رکھے دیتا ہوں، اس ترکیب سے لوگ بہت خوش ہوئے اور سارا جھگڑا ختم ہو گیا۔

(۲)

اللہ کا پیامؑ

اوپر پڑھ چکے ہو کہ حضرتؐ ہمیشہ نیک کاموں میں لگے رہتے تھے، مکہ کے قریب ایک غارِ حرا تھا، آپ کھانے پینے کا سامان لے کر وہاں چلے جاتے اور کئی کئی دن تک عبادت کرتے رہتے ایک دن آپ اسی حالت میں تھے کہ حضرت جبریلؑ اللہ کا پیام لیکر آئے، اس دن سے قرآن کی آیتیں اترنی شروع ہوئیں، کچھ دن کے بعد حکم آیا کہ دوسروں کو بھی اللہ کی باتیں سنائی جائیں جو لوگ آپ کے زیادہ قریبی تھے، پہلے آپ نے ان کو سنایا، حضرت خدیجہؓ آپ کی بیوی تھیں، حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ عمر بھر کے دوست تھے، حضرت علیؓ بچپن سے ساتھ رہے تھے، حضرت زیدؓ آپ کے غلام تھے، آپ کی پوری زندگی ان لوگوں کے سامنے تھی، یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ کس قدر نیک سچے، پاک اور ایماندار ہیں۔ آپ نے جیسے ہی ان سے فرمایا انھوں نے مان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے۔

شروع میں کچھ دن آپ چپ چاپ خاموشی سے کام کرتے رہے۔ الگ الگ لوگوں سے ملتے اور انہیں خدا کا پیغام پہنچاتے، کچھ لوگ اس طرح اسلام لے آئے تو اللہ کا حکم آیا کہ اب کھل کر صاف صاف لوگوں سے کہو، آپ نے صفا پہاڑ پر تمام لوگوں کو جمع کیا۔ جب سب اکٹھا ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بہت بڑا لشکر پڑا ہوا ہے جو بہت جلد تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم اس پر یقین کرو گے، لوگوں نے کہا کیوں نہیں، چالیس برس سے زیادہ آپ ہمارے ساتھ رہے ہیں، اتنے دنوں میں کبھی ایک لفظ بھی آپ کی زبان سے نہیں نکلا، پھر بھلا کیا وجہ ہے کہ آپ کا کہنا نہ مانیں، یہ سنکر آپ نے فرمایا کہ اچھا سنو! اللہ ایک ہے اس نے مجھے بنا

رسول بنا کر بھیجا ہے، یہ سننا تھا کہ سب کے سب برا بھلا کہنے لگے، کہاں تو ابھی تعریف کر رہے تھے، اور کہاں ذرا سی دیر میں برائی شروع کر دی۔

اب آپ پورے طور سے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے لگے، اور رفتہ رفتہ اسلام پھیلنے لگا، قریش کو یہ بہت ہی ناگوار تھا، وہ کسی طرح نہ چاہتے تھے کہ لوگ اسلام قبول کریں، اس لیے کہ اس سے ایک طرف اُن کا مذہب مٹا جاتا تھا، دوسری طرف ان کی سرداری اور ریاست جسکے صدیوں سے عادی چلے آرہے تھے، ختم ہوتی جاتی تھی، اس لیے پہلے تو انھوں نے زبانی مخالفت کی لیکن جب دیکھا کہ اس طرح کام نہیں چلتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچانی شروع کیں، کبھی راستہ میں کانٹے بچھا دیتے، تاکہ آپ کے پیروں میں چبھ جائیں، کبھی آپ پر نجاست ڈال دیتے، کبھی گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے، غرض کہ ہر طرح آپ کو اپنے کام سے روکنا چاہتے، لیکن آپ پر ذرا بھی اثر نہ ہوا، اور آپ نے برابر اپنا کام جاری رکھا، آخر لوگ حضرت ابوطالب کے پاس شکایت لیکر آئے کہ آپ اس سے روکیں، حضرت ابوطالب نے بلا کر سمجھایا، لیکن آپ نے کہا خدا کی قسم اگر میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے اور کہا جائے کہ میں اس کام سے باز آجاؤں تو ہرگز یہ نہیں ہوسکتا، یہ کہتے کہتے آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، حضرت ابوطالب نے کہا جاؤ اپنا کام کرو، جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اب قریش نے اور زیادہ سختی شروع کی، اور آپ کے ساتھ آپ کے ساتھیوں اور مسلمانوں کو بھی طرح طرح سے ستاتے اور تکلیفیں پہنچانے لگے، کسی کو مارتے، کسی کے کانٹے چبھوتے، کسی کو زمین پر گھسیٹتے، کسی کو باندھ کر لٹکاتے، کسی کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے، کسی کو ننگا کرکے عرب کی جلتی ہوئی ریت پر لٹاتے اور اوپر سے پتھر رکھ دیتے، غرض کہ کوئی ایسی تکلیف نہ تھی جو انھوں نے نہ اٹھائی ہو، لیکن اللہ کے یہ بندے ایمان کے ایسے پکے تھے کہ ان پر کسی سختی کا اثر نہ ہوتا،

جیسی جیسی سختی بڑھتی جاتی تھی، ویسے ویسے اُن کا ایمان اور مضبوط ہوتا جاتا،

جب قریش کی سختیاں حد سے سوا اور غریب مسلمانوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہوگئیں تو آپ نے اپنے اصحابؓ (ساتھیوں) کو حکم دیا کہ حبشہ جہاں کا بادشاہ بڑا رحم دل اور نرم مزاج تھا، چلے جائیں، چنانچہ یہ لوگ حبشہ روانہ ہوگئے، قریش بھلا اسے کیسے پسند کرسکتے تھے کہ مسلمان کہیں آرام کی زندگی بسر کرسکیں، فوراً حبشہ چند آدمی بھی جا پہنچے اور وہاں کے بادشاہ نجاشی سے ملے اور کہا کہ ہمارے چند نالائق غلام یہاں بھاگ آئے ہیں، آپ انھیں واپس کر دیجئے، نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر حالات پوچھے، حضرت جعفرؓ نے سارا قصہ سنایا، نجاشی کو اطمینان ہوگیا، اس نے مسلمانوں سے کہا آپ لوگ آرام سے رہیں، اس کے بعد قریش کے لوگوں کو واپس کر دیا۔

اب مکہ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان کے ساتھ اور زیادہ سختی ہونے لگی، لیکن ایک آدمی بھی دین سے نہ پھرا، یہ دیکھ کر قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے بائیکاٹ کی صلاح کی، چنانچہ دو برس سے زیادہ ان کا بہت ہی سخت بائیکاٹ رہا، اور ان کے ساتھ میل جول، شادی بیاہ ہر قسم کے رشتے توڑ لئے، ان پر کھانے پینے کا سامان بند کر دیا، دو ڈھائی برس کے بعد چند رحم دل آدمیوں نے درمیان میں پڑ کر یہ بائیکاٹ ختم کرا دیا۔

(۳)

طائف و مدینہ

ہجرت

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا سہارا تھا، لیکن نبوت (پیغمبری) کے دسویں سال اُن کا انتقال ہوگیا، اب قریش کو کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا، اور انھوں نے پہلے سے بہت زیادہ ستانا اور تنگ کرنا شروع کر دیا،

مکہ کی یہ حالت دیکھ کر آپ طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ اللہ کا پیغام سنیں، لیکن طائف کے لوگ مکہ والوں سے بھی بڑھ کر نکلے، پتھر پھینک پھینک کر اتنا مارا کہ آپ لہولہان ہوگئے، جب تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ بدمعاش آکر زبردستی اٹھا دیتے اور پھر پتھر برسانے شروع کر دیتے، بڑی مشکلوں سے بچکر کسی طرح آپ مکہ واپس آئے، یہاں مخالفت کا وہی رنگ تھا، بلکہ کچھ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی،

یہ حال دیکھ کر آپ نے عرب کے دوسرے قبیلوں کو اپنا پیغام سنانا چاہا۔ اس کے لیے حج کا زمانہ سب سے بہتر تھا، چنانچہ جب لوگ جمع ہوجاتے تو آپ اُن کے پاس جاتے اور انھیں اسلام کی طرف بلاتے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ قریش کی مخالفت کے باوجود کچھ لوگ اسلام لے آئے، سب سے پہلے مدینہ کے چھ آدمی مسلمان ہوئے، دوسرے سال بارہ ۱۲ آدمی آئے اور مسلمان ہو کر واپس گئے۔

اب مدینہ میں نہایت تیزی سے اسلام پھیلنے لگا، اگلے سال تہتر[۷۳] مرد اور دو عورتیں ایمان لائیں، انھوں نے اس کا بھی وعدہ کیا کہ اگر آپ مدینہ تشریف لے چلیں تو ہم لوگ آپکی ہر طرح مدد کرینگے۔ قریش کو یہ معلوم ہوا تو ان کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی، انھوں نے ایک جلسہ کیا اور سوچنا شروع کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ آخر سب نے مل کر طے کیا کہ اب معاملہ حد سے گذر چکا ہے اور سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے، اور ایک شب کو بڑے بڑے قریش نے آپ کو قتل کرنے کے لیے آپ کا گھر گھیر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ کو بچانا اور اپنے دین کو پھیلانا منظور تھا، اس لیے اس نے وحی کے ذریعہ سے حضرت کو خبر کر دی، آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور چپکے سے حضرت ابو بکرؓ کے یہاں تشریف لائے، انھوں نے سواری اور زاد راہ کا انتظام کیا اور دونوں مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے لیکن قریش آپکی تلاش میں تھے اور آپکی گرفتاری کے لیے انعام مقرر تھا۔ اس لیے آپ مکہ سے قریب ہی غار ثور میں چھپ گئے۔ تین دن کے بعد جب ذرا اطمینان ہوا تو آپ وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، پہلے قبا میں چند دن ٹھہرے، یہاں ایک مسجد بنائی، اس کے بعد مدینہ تشریف لے گئے، اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں ٹھہرے۔

آپ کی آمد کی خوشی میں مدینہ میں بڑی چہل پہل پیدا ہو گئی، عورتیں اور بچے تک زیارت کے لیے گھروں سے نکل آئے اور خوشی میں یہ شعر گاتے پھرتے تھے،

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وداع پہاڑ کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ہم پر خدا کا شکر واجب ہے، جب دعا مانگنے والے خدا سے دعا مانگیں

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

اے ہم میں آنے والے آپ ماننے کے لائق چیز لے کر آئے ہیں۔

کچھ دن کے بعد اور مسلمان بھی مکہ سے آ گئے اور امن سے رہنے لگے۔

(۴)

بدر کی لڑائی سنہ ۲ھ

مدینہ آنے کے بعد کسی قدر آرام و سکون کا موقع ملا تھا، لیکن بھلا قریش اسے کیونکر پسند کر سکتے تھے کہ مسلمان کہیں بھی چین سے رہ سکیں، اس لیے وہ کبھی یہودیوں کو اکساتے، کبھی منافقوں کو بھڑکاتے، غرض آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھانے کی کوشش کرتے، جب اس سے بھی کام نہ چلا تو لڑائی کی ٹھانی، اور ایک بڑی بھاری فوج لیکر مدینہ پر چڑھائی کر دی، مسلمانوں کی تعداد ہی کتنی تھی، آپ کچھ مسلمان اور کچھ انصار کو جن کی تعداد ۳۱۳ تھی، لیکر مقابلہ کے لیے نکلے، بدر کی پہاڑی پر دونوں کا مقابلہ ہوا، مسلمان بہت پریشان تھے، اتنی بڑی فوج کے مقابلہ میں تین سو تیرہ آدمیوں کی بساط ہی کیا تھی، اور وہ بھی اس حال میں کہ نہ سواری کا پورا انتظام تھا، نہ قرینہ کے ہتھیار تھے نہ کوئی اور سامان درست تھا، لیکن اللہ کے یہ بندے پھر بھی مطمئن تھے، بے جھجک میدان میں اتر پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر سجدہ میں رکھدیا اور گڑ گڑا کر دعا مانگی، دعا قبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی، کہاں یہ حیران و پریشان مٹھی بھر پردیسی اور چند مددگار اور کہاں وہ قریش کا دل بادل لشکر، کون کہہ سکتا تھا کہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہے گا، لیکن جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ بھی اس کا ہو جاتا ہے، چند گھنٹے میں قریش کو پوری شکست ہوئی، اس لڑائی میں انکے بڑے بڑے سردار کام آئے، ابوجہل جو رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم) کی دشمنی میں سب سے بڑھا ہوا تھا، مارا گیا، اور ستر آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے
یہ لوگ حضرت کے بڑے دشمن تھے، مکہ میں انھوں نے آپ کو بہت ستایا تھا، اور مسلمانوں پر بڑے
ظلم کیے تھے، کوئی اور ہوتا تو اس وقت ان سے اچھی طرح دل کھول کر بدلہ لیتا، لیکن حضورؐ تو
بڑے ہی نیک اور رحم دل تھے، آپ نے ان کو معمولی تکلیف تک نہ پہنچائی اور مسلمانوں کو تاکید
کر دی کہ خبردار کسی قیدی کو تکلیف نہ ہونے پائے، جن کے پاس کپڑے نہ تھے، ان کو کپڑے پہنائے
صحابہؓ خود کھجوریں کھا کر گذارا کرتے تھے، مگر قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے، اسی طرح کچھ دن
آرام سے رکھنے کے بعد پھر معاوضہ لیکر سب کو چھوڑ دیا۔

(۵)

احد سنہ ۳ ھجری

مکہ میں بدر کی شکست کی خبر پہنچی تو گھر گھر رونا پیٹنا مچ گیا، جن جن کے اعزہ اقربا مارے گئے
تھے، وہ جمع ہو کر ابو سفیان کے پاس آئے، اس کے اعزہ بھی مارے گئے تھے، یوں بھی وہ قریش
کا سردار تھا، اس لیے مسلمانوں سے بدلہ لینا اس کا فرض تھا، اس نے سارے قریش سے چندہ
جمع کیا، بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاری شروع کر دی، اور دوسرے سال تین ہزار فوج
لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا، اور احد کے پاس آ کر خیمے لگا دیے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو صحابہ (ساتھیوں) سے مشورہ کیا اور ہزار آدمیوں کے ساتھ
مقابلہ کے لیے چل کھڑے ہوئے، راستہ میں منافقوں کی ایک بڑی جماعت الگ ہو گئی، اور
آپ کے ساتھ صرف سات سو آدمی رہ گئے، لڑائی کا وقت آیا تو آپ نے پشت پر جدھر سے
کافروں کے حملہ کا خطرہ تھا، حفاظت کے لیے عبد اللہ بن جبیرؓ کے ساتھ ایک دستہ مقرر کر دیا اور فرمایا کہ

گھاٹی پر کھڑے رہو، ہمیں جیت ہو یا ہار، تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور مسلمان بڑی بہادری سے لڑے، کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے، یہ دیکھکر تیر انداز جو پشت پر حفاظت کر رہے تھے، مالِ غنیمت کی طرف جھک پڑے، انکی جگہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید نے ادھر سے حملہ کر دیا، مسلمان لوٹ میں لگے ہوئے تھے اس لیے نہ روک سکے، اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، اس ہنگامے میں مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی، اس خبر کے اڑتے ہی مسلمان بدحواس ہو گئے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن بہت سے مسلمانوں کا جوش زیادہ بڑھ گیا اور برابر لڑتے رہے کہ اتنے میں ایک صحابی کی نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ گئی، انھوں نے مسلمانوں کو پکارا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں، یہ آواز سن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی، اور آپ کے پاس جمع ہوئے کافروں نے یہ دیکھا تو ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا، لیکن مسلمانوں نے جانیں لڑا دیں، حضرت ابو دجانہ انصاریؓ کا یہ حال تھا کہ جو تیر حضورؐ کی طرف جاتے انھیں اپنے بدن پر روک لیتے تھے، حضرت طلحہؓ دشمنوں کی تلواریں اپنے ہاتھ پر روک لیتے تھے، یہانتک کہ ان کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے بیکار ہو گیا۔ غرض مسلمانوں نے جانوں پر کھیل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہ آنے دی، پھر بھی آپ زخمی ہوئے اور جان نثار صحابہؓ کیساتھ چوٹی پر چڑھ گئے، ابو سفیان سمجھتا تھا کہ محمد کام آ گئے، اس لیے ٹیلہ پر چڑھ کر ابو بکرؓ اور عمرؓ کو پکارا، جب اس کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، تو اس نے کہا آج کا دن بدر کا بدلہ ہے، اگلے سال بدر کے مقام پر پھر ہمارا تمھارا مقابلہ ہوگا، حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہہ دو منظور ہے

اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے، یاد ہوگا کہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں نے کیسا اچھا سلوک کیا تھا، لیکن کافروں نے زندوں کا کیا ذکر، مردوں تک سے برا سلوک کیا، لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، ان کے ناک کان کاٹے، پیٹ پھاڑ کر کلیجہ نکالا اور اسے چبایا، غرض کہ

جو کچھ برائی اور بدسلوکی ان سے ہوسکی انھوں نے کی۔

(۶)

خندق ۵ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے پہلے یہاں یہودیوں کا بڑا زور تھا، اور وہ اپنے مذہب اور اپنی دولت مندی کی وجہ سے بڑے معزز سمجھے جاتے تھے، جب مدینہ میں مسلمان پہنچے اور یہاں اسلام پھیلنے لگا تو یہودیوں کا اگلا اعزاز و وقار خطرہ میں پڑ گیا، اسلیے وہ مسلمانوں کی دشمنی میں قریش سے بھی بڑھ گئے، مسلمانوں کا زور توڑنے کی کوشش شروع کردی، ان میں بنونضیر سب سے زیادہ دشمن تھے، اسلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مدینہ سے نکال دیا اور وہ خیبر چلے آئے، یہاں آنے کے بعد انھوں نے ایک بڑی زبردست سازش کی، قریش تو مسلمانوں کے پرانے دشمن تھے ہی، انکو ملانا کیا مشکل تھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں فوراً بنونضیر کے ساتھ ہوگئے، ان کے علاوہ انھوں نے عرب کے تمام قبائل کو ملاکر چوبیس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھائی کردی۔

چونکہ اتنی بڑی فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی نہ آئی تھی، اس لیے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارسی نے رائے دی کہ مدینہ کے اردگرد ایک خندق (کھائی) کھود لیجائے، تاکہ دشمن اندر نہ آسکیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رائے پسند فرمائی اور خندق کھد گئی، کفار آئے تو انھیں مقابلہ میں بڑی دشواری ہوئی، مجبور ہوکر چاروں طرف سے گھیر لیا، یہ وقت مسلمانوں کے لیے سخت پریشانی کا تھا، کئی کئی دن کھانے کو نہیں ملتا تھا، منافقوں نے بھاگ کے الگ ساتھ چھوڑنا شروع کردیا، خندق پار سے دشمن تیر اور پتھر برسا رہے تھے، ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا، مسلمان اللہ کا نام لے کر ہمت سے کام لیتے تھے، ایک مہینہ کے بعد اللہ نے ان پر فضل کیا

اور دشمنوں میں آپس ہی میں پھوٹ پڑ گئی، اس کے علاوہ ایسی زبردست آندھی آئی کہ چولھے کی ہانڈیاں الٹ الٹ گئیں، اس سے دشمنوں کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ پریشان ہو کر لوٹ گئے،

(۷)

صلح حدیبیہ

مکہ مسلمانوں کا محبوب وطن تھا، یہاں سے وہ زبردستی نکالے گئے تھے، لیکن سب رشتہ دار یہیں تھے، بعضوں کے بال بچے بھی اب تک مکہ ہی میں تھے، مسلمانوں کو مکہ چھوڑے ہوئے کئی برس گذر گئے تھے، اس لیے ان کو وطن کی یاد ستا رہی تھی، یہاں کی ہر چیز یاد آتی تھی، اس کے علاوہ بیت اللہ شریف اُن کا قبلہ تھا، برسوں سے اس کی زیارت اور حج سے محروم تھے، اس لیے جنگِ خندق کے ایک سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ کعبہ کی زیارت کے لیے چل کھڑے ہوئے، اور اس خیال سے کہ قریش کو یہ خیال نہ ہو کہ ہم لڑنے کے لیے آرہے ہیں، عمرہ[۱] کا احرام باندھ لیا، اور قربانی کے جانور ساتھ لے لیے، لیکن پھر بھی دشمن شرارت سے باز نہ آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ انھوں نے آگے بڑھ کر راستہ روک لیا، بہتیرا یقین دلایا کہ صرف عمرہ کی نیت ہے، لڑائی بھڑائی کا کوئی ارادہ نہیں ہے، لیکن شیطانوں نے ایک نہ سنی۔

حضرت عثمانؓ معاملہ طے کرانے گئے تھے، کسی نے خبر اڑا دی کہ وہ شہید کر ڈالے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا، فوراً ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام صحابہؓ سے

---

[۱] ایک قسم کا حج ہے۔

بیعت کی کہ اس خون کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہ ٹلیں گے، یہی بیعت، بیعتِ رضوان کہلاتی ہے، بعد کو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، اب پھر اصل بات شروع ہوئی، آخر بڑی مشکلوں سے اس پر معاملہ طے ہوا کہ

(۱) اب کی مسلمان واپس چلے جائیں، اگلے سال آئیں، لیکن شرط یہ ہے کہ تلوار (وہ بھی میان میں) کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ ہو، تین دن وہ مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں، ان دنوں میں قریش شہر سے باہر چلے جائیں گے،

(۲) مسلمان اور قریش دونوں کو حق ہے کہ جس سے چاہیں معاہدہ (معاملہ) کریں،

(۳) اگر قریش میں کا کوئی شخص بلا اجازت مسلمانوں سے ملے گا تو واپس کر دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آئے گا تو پھر واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔

(۴) دس سال آپس میں صلح رہے گی اور اس عرصہ میں کوئی لڑائی بھڑائی نہ ہوگی،

اس معاہدہ (عہدنامہ) کی تیسری دفعہ دیکھنے میں کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی، لیکن سچ پوچھو تو اس میں بڑی مصلحت تھی، جب مسلمان کافروں سے مل گیا تو پھر وہ کس کام کا جتنی دور رہے اتنا ہی اچھا ہے، پاس رکھ کر سوائے ہر وقت کھٹکے کے اور کیا فائدہ رہا، مسلمان تو وہ کہیں بھی رہے کافروں کو نقصان کے سوا اس سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے، چنانچہ یہی ہوا، قریش کے جو لوگ مسلمان ہو جاتے وہ اس دفعہ کی وجہ سے مدینہ میں نہیں رہ سکتے تھے۔ مکہ کافروں کے پاس لوٹ کر جانا نہیں چاہتے تھے، مجبوراً اپنی الگ ایک ٹکڑی بنا لی، اور قریش کے قافلوں کو لوٹنا شروع کیا، چند ہی دن میں قریش کا ناک میں دم آگیا، اور انھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی کہ عہدنامے سے یہ دفعہ نکال دیجائے۔

بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلامؐ

کے

خطوط ۶ھ

صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ کی حالت سے کچھ اطمینان نصیب ہوا تو آپ نے آس پاس کے بادشاہوں کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ دحیہ کلبیؓ کو قیصر روم کے پاس، عبداللہ بن حذیفہؓ کو خسرو پرویز بادشاہ ایران کے پاس، حاطبؓ بن بلتعہ کو عزیز مصر کے پاس، عمروؓ بن امیہ کو نجاشی بادشاہ حبش کے پاس سلیط بنؓ عمرو کو یمامہ کے رئیسوں کے پاس، شجاع ابن وہبؓ کو حارث غسانی کے پاس کے پاس خط لیجانے کی خدمت سپرد ہوئی۔

غزوۂ خیبر ۷ھ

خیبر مدینہ اور شام کے بیچ میں یہودیوں کا ایک جنگی مرکز تھا۔ یہاں ان کے بہت سے قلعے تھے، جہاں جہاں مسلمان پہنچتے جاتے تھے، یہودی وہاں سے ہٹ کر خیبر میں آکر دم لیتے تھے، اور وہاں کے سردار عرب کے رئیسوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑائی پہ آمادہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان سے صلح کا کوئی معاہدہ ہو جائے، مگر انھوں نے نہ مانا اور لڑائی ضروری ہو گئی، مسلمانوں نے سنہ ۶ھ کے آخر یا ۷ھ کے شروع میں خیبر پر چڑھائی کی، یہودیوں نے قلعہ

بند ہو کر لڑنا شروع کیا، مسلمانوں کو ایک ایک قلعہ فتح کرنا پڑا، آخر کئی ہفتوں کے بعد سارے قلعے سر ہوئے کل ۹۳ یہودی اس لڑائی میں مارے گئے،

لڑائی ختم ہوتے پر یہودیوں کی درخواست پر زمین کی کاشت یہودیوں کے ہاتھوں میں رہنے دی گئی اور مسلمانوں نے صرف حقِ مالکانہ پر قناعت کی۔

(۸)

فتح مکّہ ۸ھ

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں توحید کی تعلیم، بتوں کی پوجا مٹانے اور اپنے محبوب گھر کعبہ کو جس میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے بت پرستی کی گندگی سے پاک کرنے کے لیے بھیجا تھا، لیکن قریش نے اب تک اس کام کو پورا ہونے نہ دیا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی معاہدۂ حدیبیہ کی وجہ سے جو دس سال کے لیے ہوا تھا، اس کام میں جلدی نہیں کی، لیکن قریش نے معاہدہ توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ پر چڑھائی کرنے کے لیے مجبور کر دیا، قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا دوست تھا جن پر قریش کو تلوار اٹھانے کا حق نہ تھا، لیکن انھوں نے ایک دوسرے قبیلہ بنی بکر کی دوستی میں جو بنی خزاعہ کا دشمن تھا بنی بکر کے ساتھ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا، عین حرم (کعبہ) میں ان بیچاروں کا خون بہایا، ان کی اس شرارت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بدلہ نہیں لیا، اور قریش کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ بے گناہ مارے جانے والوں کا خونبہا ادا کریں، یا بنی بکر کا ساتھ چھوڑ دیں، یا صاف صاف کہدیں کہ معاہدہ ٹوٹ گیا، قریش نے کہا ہاں معاہدہ ٹوٹ گیا، اس صاف جواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مجبوراً رمضان سنہ ۸ھ میں دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے، اب حالت بدل چکی تھی، مسلمان بہت بڑھ چکے تھے، ان کے پاس ساز و سامان بھی کافی ہو چکا تھا، قریش میں انھیں روکنے کا دم نہیں تھا، اس لیئے معمولی سی جھڑپ کے بعد مسلمان مکہ میں داخل ہو گئے، اور اس شان و شکوہ کے ساتھ کہ قریش کے بڑے بڑے سردار اسلامی شان دیکھ کر ڈر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی کہ ڈرنے کا مقام نہیں ہے، مکہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے کعبہ کا طواف کیا، اور سارے بت نکال کر پھینک دیے، اسکے بعد آپ نے مکہ کے تمام لوگوں کو جمع کیا، اور ان کے سامنے تقریر کی، یہ عجیب وقت تھا. ایک زمانہ تھا جب حضورؐ بے یار و مددگار مکہ سے نکلے تھے، قریش کا بچہ بچہ آپ کے خون کا پیاسا تھا یا آج یہ دن تھا کہ اشارے پر جان دینے والے دس ہزار صحابہؓ ساتھ تھے دشمن سب کے سب سامنے موجود تھے، ہر قسم کے بدلہ کا پورا موقع تھا چاہتے تو ایک اشارہ پر سر تن سے جدا کر سکتے تھے، لیکن آپ تو ساری دنیا کے لیے امن و راحت بنا کر بھیجے گئے تھے، آپ سے یہ کیونکر ہو سکتا تھا، آپ نے سب کی خطائیں معاف کر دیں، اور فرمایا جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو، ابو سفیان جو اسلام کے سخت دشمن تھے، جنھوں نے ہر موقع پر اسلام کو نقصان پہنچایا تھا، اور جو ہر لڑائی میں آگے آگے تھے، ان تک کو حضورؐ نے معاف کر دیا، اور صرف معاف ہی نہیں کیا، بلکہ اس کے ساتھ یہ عزت بخشی کہ جو ان کے گھر میں پناہ لیتا، اسے بھی معافی مل جاتی، قریش پر اس رحم و مہربانی کا بہت اثر ہوا اور وہ بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

حنین

ابھی آپ مکہ ہی میں تھے کہ معلوم ہوا کہ ثقیف اور ہوازن کے قبیلے فساد پر تلے ہوئے ہیں، خبر ملتے ہی فوراً ادھر روانہ ہوئے، حنین کے مقام پر مقابلہ ہوا، مسلمانوں کے پاس اس وقت بارہ ہزار فوج تھی، سامان بہت کافی اور اچھا تھا۔ لوگوں کے دل میں خیال آیا کہ جب ہم نے چند آدمیوں سے بڑی بڑی فوجوں کو بھگا دیا تو اتنی طاقت کے بعد اب کون ہے جو ہمارے سامنے ٹک سکے، اللہ تعالیٰ کو یہ غرور پسند نہ آیا، اور پہلے ہی حملے میں پیر اکھڑ گئے، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چند خاص خاص صحابہ میدان میں رہ گئے، یہ حالت دیکھ کر حضرت عباسؓ کو حکم ہوا کہ مسلمانوں کو آواز دیں، آواز کا کان میں پڑنا تھا، کہ سب کے سب پلٹ پڑے، اب کیا تھا، دم کے دم میں میدان کا رنگ بدل گیا اور تھوڑی دیر میں دشمن صاف ہو گئے۔ جنگ ختم ہوئی تو چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی قدموں کے پاس ڈھیر تھی۔

حنین کے شکست خوردہ مشرک بھاگ کر طائف کے قلعہ میں جمع ہوئے اور لڑائی کا سامان شروع کر دیا، اس لیے حنین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے، اور تھوڑے دنوں قلعہ کا محاصرہ کر کے لوٹ آئے۔

غزوۂ تبوک ۹ھ

تبوک، مدینہ اور دمشق کے درمیان شام میں ایک مقام ہے ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فوج کشی کی اس کا باعث یہ ہوا کہ ۹ھ میں مدینہ میں نہایت زور وشور سے خبر پھیلی کہ رومی بڑے سامان سے مدینہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں، لخم و جذام عرب قبیلے بھی ان کے ساتھ ہیں، چونکہ مسلمانوں اور شامیوں میں چھڑ چکی تھی اسلئے مسلمانوں کو اس کے صحیح سمجھنے میں تامل نہ ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری کا حکم دیدیا، اتفاق سے امسال عرب میں سخت قحط تھا، گرمی بڑے غضب کی پڑ رہی تھی، اسیلے لوگوں کو نکلنا بہت شاق تھا، منافقوں کو موقع مل گیا، انھوں نے خفیہ مسلمانوں کو روکنا شروع کر دیا، مسلمان یونہی تنگدست تھے، قحط نے اور حالت زبوں کر دی تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل عرب سے چندہ طلب کیا، متمول صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عثمانؓ نے تین سو اونٹوں سے مدد کی، پھر بھی بعض سے صحابہؓ ناداری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، قرآن نے ان کی معذوری کی وجہ سے انھیں جہاد کی شرکت سے مستثنی کر دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنا کر تیس ہزار صحابہ کو لیکر مدینہ سے شام روانہ ہوئے۔ تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ رومیوں کے حملہ کی خبر صحیح نہ تھی لیکن بالکل غلط بھی نہ تھی، ایک غسانی سردار عربوں سے ساز باز کر رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن قیام فرمایا، اس دوران میں ایلہ کے رئیس یوحنا اور جربا اور اذرح کے عیسائیوں نے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا، دومۃ الجندل کا عرب سردار اکیدر قیصر کے ماتحت تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو اس کے گرفتار کرنے کے لیے بھیجا، انھوں نے جاکر اس کو گرفتار کر لیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے کی شرط پر رہا کر دیا، چونکہ تبوک میں رومیوں کی تیاری کی کوئی خبر نہ ملی اس لیے بیس دن قیام کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔

(۱۱)

آخری حج

فتح مکہ کے بعد اسلام کی راہ سے بڑی رکاوٹ دور ہو گئی اور چند ہی دنوں میں عرب کے کونے کونے میں اسلام کا نور پھیل گیا۔

سنہ ۱۰ھ میں حضورؐ نے حج کا ارادہ کیا، جس کو حجۃ الوداع یعنی رخصتی کا حج کہتے ہیں، کیونکہ یہ آپ کا آخری حج تھا، جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ نکل پڑے، اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک لاکھ سے اوپر آدمی جمع ہو گئے، حج کے بعد آپ نے اپنا مشہور خطبہ دیا، آپ نے فرمایا :-

"لوگو! غور سے سنو اور یاد رکھو، شاید پھر تم سے ملنے کا موقع نہ ملے، جس طرح اس دن، اس مہینے اور اس جگہ کی حرمت کرتے ہو، اسی طرح ایک مسلمان کا خون، مال، اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اللہ تعالیٰ تمھارے ہر کام کا حساب لے گا، دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، جس طرح تمھارے حق عورتوں پر ہیں، اسی طرح عورتوں کے حق تمھارے اوپر ہیں، اُنکے ساتھ

نرمی کرنا، اور مہربانی سے پیش آنا، اور اللہ سے ڈر کر ان کے حق کا لحاظ رکھنا، غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، جو خود کھانا وہ انھیں کھلانا، جو خود پہننا وہی انھیں پہنانا، ان سے کوئی خطا ہو تو معاف کر دینا، یا انھیں الگ کر دینا، وہ بھی اللہ ہی کے بندے ہیں، سختی درست نہیں۔"

"نہ عربی کو عجمی (غیر عرب) پر فضیلت ہے، نہ عجمی کو عربی پر، سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، تمھارے لیے کسی کی چیز اُس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ خوشی سے نہ دیدے۔"

"دیکھو نا انصافی نہ کرنا، میں تمھارے پاس ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں جس کو اگر تم مضبوطی سے پکڑے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز قرآن ہے۔"

- عمل میں خلوص، مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد (آپس میں میل)، یہ تین باتیں ایسی ہیں جو دل کو پاک رکھتی ہیں۔"

تم لوگوں کو چاہیے کہ میری باتیں ان لوگوں کو پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں کیونکہ بہت سے لوگ سن کر ان لوگوں سے زیادہ یاد رکھتے ہیں جو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔"

خطبہ ختم ہوا تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا کہ میں نے خدا کے احکام (حکم) تم تک پہنچائے یا نہیں تو تم کیا جواب دوگے، لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا ہم گواہ ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام (حکم) ہم تک پہنچا دیے اور اپنا فرض ادا کر دیا، یہ سنکر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ اے اللہ تو گواہ رہ۔ اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لائے۔

(۱۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

حجۃ الوداع (آخری حج) ہی کے موقع پر قرآن مجید کی آخری آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا) اتر چکی تھی، جس سے اشارۃً معلوم ہو گیا تھا کہ اب حضورؐ کو دنیا میں رہنے کی ضرورت باقی نہیں ہے، کیونکہ آپ جس کام کے لیے تشریف لائے تھے، انکو پورا کر چکے، چنانچہ دو مہینے بعد صفر کی آخری تاریخوں میں آپ کو بخار آیا اور دن بدن بڑھتا ہی گیا، آخر ۶۳ برس کی عمر میں دوشنبہ کے دن ۱۲ ربیع الاول (بارہ وفات) کی پہلی تاریخ کو وفات پائی۔

جیسے ہی انتقال کی خبر پھیلی سارے مدینہ میں کہرام مچ گیا، بڑے بڑے مضبوط دل کے لوگ بدحواس ہو گئے، حضرت علیؓ جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے، حضرت عثمانؓ کو سکتہ ہو گیا، حضرت عبداللہ ابن انیسؓ کا مارے صدمہ کے انتقال ہو گیا، حضرت عمرؓ کو پہلے یقین ہی نہ آتا تھا، جب یقین آیا تو بیہوش ہو کر گر پڑے، لوگوں کو جب ذرا سکون ہوا، تو تجہیز و تکفین (کفن دفن) کا انتظام ہوا، اور منگل کے دن ربیع الاول (بارہ وفات) کی دوسری تاریخ کو وہیں حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں دفن ہوئے، وفات کے وقت ۶۳ سال کا سن مبارک تھا۔

۱۲

اسلام کا اثر

شروع میں پڑھ چکے ہو کہ حضورؐ سے پہلے عرب بلکہ ساری دنیا کی کیا حالت تھی، ۲۳ برس کی مدت بھی کوئی ایسی مدت ہے، لیکن ان ہی چند برسوں میں سارے عرب کی کایا پلٹ گئی، اب نہ وہاں چور تھے، نہ اٹھائی گیرے، نہ کہیں ڈاکا پڑتا تھا، نہ کوئی قافلہ لٹتا تھا، ہر طرف خدا کے پاک و مخلص بندے تھے، ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ملک میں امن تھا، ایک بوڑھی عورت یمن کے شہر صنعاء سے سونا اچھالتی چلتی تھی اور سیکڑوں میل کا سفر کر کے مکہ پہنچی تھی اور کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ تھا، غنیمت کا مال آتا اور کئی کئی دن مسجد میں بلا چوکی پہرہ کے کھلا پڑا رہتا تھا، لیکن لینا تو بڑی بات ہے، کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا کہ سونے کا انبار ہے یا مٹی کا ڈھیر، کہاں تو عداوت و دشمنی کا یہ حال تھا کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا تھا یا یکایک یہ حالت ہو گئی کہ غیر عزیزوں سے بڑھ گئے، اور پرائے اپنے ہو گئے، نفرت کے بجائے ہر طرف میل و محبت کا چرچا تھا، شراب جوان کی گھٹی میں پڑی تھی، یک قلم بند ہو گئی، جوا جو ان کا رات دن کا کھیل تھا، بالکل ختم ہو گیا، برائی اور بدکاری کے اڈے اجڑ گئے، میلوں ٹھیلوں کا خاتمہ ہو گیا، بت مٹ گئے، بتخانوں میں سناٹا چھا گیا، اب نہ کہیں درختوں کی پوجا تھی، نہ پتھروں کی عبادت، نہ قبروں پر سجدے ہوتے تھے، نہ سرداروں اور بادشاہوں کے آگے سر جھکتے تھے، ہر طرف ایک ہی خدا کا ذکر تھا اور اسی کے نام کی پکار۔

ایمان کی قوت نے ہمت بلند کر دی، وہی مفلس و قلاش اور غریب و لاچار عرب

جن کی ساری زندگی بکریوں کی چرواہی اور اونٹوں کی دیکھ بھال میں بسر ہوئی تھی، بادشاہت وسلطنت کے ارادے کرنے لگے، جو قیصر و کسریٰ (روم وایران) کے بادشاہ کے نام سے لرزجاتے تھے، اور ساسانیوں کے خیال سے جن کی نیندیں اُچٹ جاتی تھیں، اب وہی آگے بڑھ کر انکے تخت پر قدم رکھ دینا چاہتے تھے، جہاں ہر طرف فقرو افلاس تھا، اونٹنیوں کے دودھ اور کھجوروں سے پیٹ پا لیتے تھے، چار چار دن کے بعد بھی دانہ کی شکل نظر نہیں آتی تھی، تھوڑے ہی دنوں میں وہاں اتنی دولت پھٹ پڑی کہ ہزاروں روپئے لیکر لوگ نکلتے تھے لیکن کوئی قبول کرنے والا نہ ملتا تھا۔

سوچنے کی بات ہے کہ آخر چند برس میں یہ کایا پلٹ کیونکر ہوگئی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا وہ اور کون ذات تھی جس نے ساری دنیا بدل دی (صلی اللہ علیہ وسلم)

دوسرا باب

خلافتِ[1] راشدہ

(۱)

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

پچھلے ورقوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات کسی قدر پڑھ چکے ہو، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہؓ نے آپ کو اپنا سردار بنایا۔

اس وقت ملک کی عجیب حالت تھی، ایک طرف عرب کے قبیلے اسلام سے پھر گئے اور مسیلمہ و اسود وغیرہ نے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا، جو اسلام پر قائم رہے، اُن میں سے بھی ایک بڑی تعداد نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، باہر کے حملے کا بھی ہر وقت ڈر تھا، حضرت ابوبکرؓ نے حالات کو اچھی طرح سے دیکھا اور پورے غور کے بعد ایک آخری رائے قائم کرلی، آپ نے سب سے پہلے حضرت اسامہؓ کو حکم دیا کہ شام کی طرف روانہ ہو جائیں، صحابہؓ نے بہتیرا منع کیا کہ ملک کی حالت

---

[1] خلافت راشدہ کے معنی ہیں صحیح اور درست قائم مقامی، چونکہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے قائم مقام تھے، اور ان کے وقت میں ٹھیک ٹھیک اللہ کے قانون کے مطابق حکومت ہوتی تھی، اس لیے ان کا زمانہ خلافتِ راشدہ کہلاتا ہے۔

ابتر ہے، اس وقت باہر فوج بھیجنا کسی طرح مناسب نہیں، لیکن حضرت ابو بکرؓ حالات کو سمجھ چکے تھے، اس لیے اپنی رائے پر جمے رہے اور حضرت اسامہؓ کو روانہ کر دیا، جو چند ہی دنوں میں دشمنوں کو شکست دے کر مال سے لدے پھندے واپس آئے،

حضرت خالدؓ مسیلمہ وغیرہ کے مقابلہ پر بھیجے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے بھی جنگ کی جائے، صحابہؓ نے اب بھی روکنا چاہا، لیکن حضرت ابو بکرؓ خود تلوار لیکر کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک رسی بھی دیتے تھے، اور اب اس سے انکار کرتے ہیں تو ان سے جنگ کروں گا، آپکے اس ارادہ کو سن کر سب چپ ہو گئے اور فوجیں روانہ ہو گئیں،

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ معاملہ کو بالکل سمجھ گئے تھے، ان کی اس تدبیر سے سارا ملک تھرا اٹھا اور سب کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مسلمان بڑے مضبوط اور طاقتور ہیں، اگر ان کے پاس کافی قوت نہ ہوتی تو اس طرح چاروں طرف فوجیں نہ روانہ کرتے، نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے، اور بے لڑے بھڑے ہزاروں لاکھوں آدمی تابعدار ہو گئے۔ جو مقابلہ پر آئے، وہ بھی اس طرح لرزتے اور کانپتے ہوئے کہ چند ہی لڑائیوں میں ہتھیار ڈال دیئے، مسیلمہ اور اس کے ساتھی مارے گئے اور ملک میں پھر چاروں طرف اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔

(۲)

روم و ایران

رومی اور ایرانی دونوں ہمیشہ سے عربوں کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور انہیں اپنا غلام سمجھتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خسرو پرویز (بادشاہ ایران) کو

اسلام کی دعوت دی تو اس نے یہ کہکر نامۂ مبارک (آپؐ کے خط) کو چاک کر ڈالا کہ افوہ میرے غلام کی یہ مجال کہ مجھے اس طرح خط لکھے، اس کے بعد یمن کے گورنر کو حکم بھیجا کہ آپ کو گرفتار کر کے بھیجدے، رومیوں کے متعلق معلوم ہے کہ مدت سے عرب پر حملہ کا ارادہ رکھتے تھے،

یہ تو خاص عرب کے ساتھ ان کا برتاؤ تھا، خود اپنے ملک میں رعایا پر جو ظلم و ستم ڈھا رہے تھے، اسکے ذکر سے آج بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انکے مظالم سے تنگ انکی رعایا پریشان تھی، اتفاق سے اسی زمانہ میں ایران میں بڑی گڑ بڑ مچ گئی، یہاں کی حالت دیکھ کر عرب و ایران کی سرحد کے ان قبیلوں نے جن پر ایرانی ہمیشہ ظلم کرتے چلے آرہے تھے، ایران کی سرحد پر حملہ شروع کر دیا، اور حضرت ابو بکرؓ سے آکر کہا کہ ہم لوگوں کو مصیبت سے بچانے کا یہی وقت ہے، آپ عربوں کے ساتھ ایرانیوں کی دشمنی سے اچھی طرح واقف تھے، مسلمانوں کو ایرانیوں کی عداوت سے بچانے کے علاوہ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان کے کانوں تک خدا کا پیغام پہنچا دیا جائے، اسلیے آپ تیار ہو گئے اور حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں ایران کی طرف ایک فوج بھیجی گئی، جس نے چند ہی لڑائیوں میں ایران کا بڑا حصہ فتح کر لیا،

(۳)

یرموک

ایرانیوں کی طرح رومی بھی مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے، اور عرصہ سے عرب پر اپنا قبضہ جمانے کی فکر میں تھے، ایک آدھ مرتبہ انھوں نے مدینہ شریف پر بھی حملہ کا ارادہ کیا تھا، اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے ایران کے ساتھ ساتھ شام پر بھی فوج کشی کی تھی اور حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح، یزید بنؓ ابی سفیان، عمرو بن العاصؓ اور بڑے بڑے صحابہ کو فوجیں دے کر شام

بھیجا تھا، اور یہاں بھی ٹھیک اس وقت جب ایران میں لڑائی ہو رہی تھی، جنگ چھڑی ہوئی تھی اور رومی بڑے جرار لشکر کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے، اس لیے یہاں حضرتِ خالدؓ کی جو بڑے نامور بہادر تھے، اور عراق میں تھے، سخت ضرورت تھی، اس لیے حضرتِ ابوبکرؓ نے انھیں حکم بھیجا کہ فوراً وہاں جائیں اور اپنی جگہ حضرت مثنیٰؓ کو مقرر کر جائیں، یہ حکم ملتے ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ شام روانہ ہو گئے، اور یہاں کی اسلامی فوج کے سرداروں سے مل گئے، پہلا معرکہ اجنادین کے مقام پر ہوا جس میں رومیوں کو سخت شکست ہوئی، اب شام کے حاکم ہرقل کو سخت تاؤ آیا، اور اس نے تین لاکھ فوج مقابلہ کے لیے بھیجی، مسلمانوں کی تعداد کسی طرح چالیس ہزار سے زیادہ نہ تھی، یرموک کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، رومی بڑی ہمت بہادری سے لڑے، لیکن سخت شکست کھائی اور لاکھوں لاشیں چھوڑ کر میدان سے بھاگ گئے، اس لڑائی نے ان کی ہمت توڑ دی اور انھیں صاف نظر آنے لگا کہ چند ہی دن میں سارا شام ہاتھ سے نکل جائے گا۔

(۴)

حضرت ابوبکرؓ کی وفات

یرموک کی لڑائی جاری تھی، کہ جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، مدینہ کے قاصد (ہرکارہ) نے میدانِ یرموک میں آکر آپ کی وفات کی خبر سنائی، آپ نے کل دو برس تین مہینے دس دن حکومت کی، لیکن اتنی ذرا سی مدت میں جتنے بڑے بڑے کام آپ نے کیے، وہ دوسروں سے برسہا برس میں مشکل سے ہو سکتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی نبوت کے جھوٹے دعویداروں اور مرتدوں

نے اسلام کا چراغ بجھا دینا چاہا، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے نہایت مستعدی سے ان فتنوں کا قلع قمع کر دیا، آپ طبیعت کے نرم لیکن ارادہ کے پکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا صحابہ اُن کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کے مخالف تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا، جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بکری کا ایک بچہ بھی دیتا تھا، اس سے میں تلوار کے ذریعہ سے وصول کروں گا، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بڑی گہری محبت تھی، ہر وقت جان و مال سے حاضر رہتے، کبھی سخت سے سخت موقع پر بھی آپ کے قدم پیچھے نہیں ہٹے، خلافت سے پہلے کپڑے کا کاروبار کرتے تھے لیکن خلیفہ ہونے کے بعد کام اتنا بڑھا کہ اس کے لیے وقت نہ نکل سکا، مجبوراً سب کے کہنے سے اپنی گذر اوقات کے لیے بیت المال (سرکاری خزانہ) سے کچھ تنخواہ لینے لگے، لیکن وفات کے وقت وصیت کر دی کہ ان کی جائداد بیچ کر یہ رقم سرکاری خزانہ میں واپس کر دیجائے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانے میں اس کا بڑا لحاظ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو باتیں نہ ہوتی تھیں، انھیں نہ ہونے دیا، اس لیے آپ کی خلافت نے باقاعدہ حکومت کی شکل اختیار نہ کی، نہ کوئی عمارت بنوائی، نہ خزانہ قائم کیا، نہ فوج کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا، جو روپیہ آتا تھا، اس کو مسلمانوں میں دے لے کر چکا دیتے تھے اور بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے تھے، جب جہاد کے لیئے فوج کی ضرورت ہوتی تھی تو مسلمانوں کو جمع کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو نظام تھا بعینہٖ اس کو قائم رکھا حتیٰ کہ اس زمانہ میں عہدداروں میں بھی کوئی ادل بدل نہیں کیا، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن کا جمع کرنا ہے۔ اسلیے کہ قرآن مجید اس وقت چمڑے کے ٹکڑوں، اونٹ کی ہڈیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھا ہوا تھا اور وہ بھی کسی ایک

شخص کے پاس پورا قرآن نہ تھا، کسی ایک کے پاس کوئی سورہ تھی، کسی کے پاس کوئی آیت تھی،
کسی کے پاس کوئی ٹکڑا تھا، حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے،
تاکہ آیندہ ضائع نہ ہوجائے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نہ ہوا تھا، اسلیے
حضرت ابوبکرؓ کو تامل ہوا لیکن پھر حضرت عمرؓ کے اصرار سے اس کی مصلحت سمجھ میں آگئی،
اور آپ نے ان صحابہؓ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن لکھتے تھے اور
جن کو قرآن زیادہ حفظ تھا، بڑی احتیاط سے قرآن شریف ایک جگہ جمع کرالیا۔ یہی
قرآن ہم آج پڑھتے ہیں،

آپ بڑے نرم دل اور رقیق القلب تھے، مزاج میں مطلق سختی نہ تھی، خلافت سے پہلے
تجارت کے ذریعہ روزی پیدا کرتے تھے، خلافت کے بعد کچھ دنوں تک یہ مشغلہ قائم رہا،
لیکن خلافت کے کاموں کی وجہ سے فرصت نہ ملتی تھی، اس لیے صحابہؓ نے سالانہ
۶ ہزار درہم وظیفہ مقرر کر دیا۔

(۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱)

ایران

حضرت ابو بکرؓ نے انتقال کے وقت حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا، انتقال کے بعد باضابطہ بیعت ہوگئی اور حضرت عمرؓ نے کام شروع کر دیا۔

عرب کی حالت تو حضرت ابو بکرؓ ہی کے زمانہ سے ٹھیک ہوگئی تھی، لیکن ایران اور شام کا معاملہ ابھی تک ابتدائی حالت میں تھا، اوپر پڑھ چکے ہو کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت خالدؓ شام روانہ ہوگئے تھے، اور ان کی جگہ حضرت مثنیٰؓ لشکر کے سردار مقرر ہوئے تھے، اس عرصہ میں ایرانیوں نے اپنی حالت درست کی، اور ہرمز کی ماتحتی میں دس ہزار فوج بھیجی مثنیٰ بھی اپنی فوج لے کر آگے بڑھے، بابل کے مقام پر دونوں کا مقابلہ ہوا، ایرانی بڑی بہادری سے لڑے لیکن آخر کار شکست کھائی اور میدان سے بری طرح بھاگے۔

ایرانیوں کو اس ہار سے سخت رنج ہوا، اب کی انھوں نے اپنے آپ کو اور مضبوط کیا اور بہت زور سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں، مثنیٰ نے یہ حالت دیکھی تو سیدھے مدینہ پہنچے، اور حالات بیان کیے، اس وقت حضرت ابو بکرؓ کا آخری وقت تھا، حالات سنکر حضرت عمرؓ کو وصیت کی کہ اس طرف پوری توجہ کریں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ

ہوتے ہی حضرت ابوعبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہ کو ایک بڑا لشکر دے کر روانہ کیا۔

ایرانیوں سے کئی معرکے ہوئے، لیکن ہر مرتبہ میدان مسلمانوں ہی کے ہاتھ رہا، ایرانی سپہ سالار (فوج کے سردار) رستم کو یہ حالت معلوم ہوئی، تو غصہ سے کانپ اٹھا اور فوراً بہمن جادویہ کو تیس ہزار فوج لے کر روانہ کیا۔ فرات کے کنارے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، مسلمان بڑی بہادری سے لڑے، لیکن عربی گھوڑوں کو کبھی ہاتھیوں سے سابقہ نہ پڑا تھا، اور ایرانی فوج میں ہاتھیوں کی پوری قطار تھی۔ ان کو دیکھ کر گھوڑے بھڑکنے لگے، اس لیے مجبوراً عرب سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تلواریں لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔ خود حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھ کر ایک سفید نشان کے ہاتھی پر تلوار چلائی، تلوار پڑتے ہی ہاتھی بلبلا اٹھا، اور غصہ میں آکر ان کے سینہ پر پیر رکھ دیا جس سے پسلیاں چور چور ہو گئیں۔

لڑائی بڑے زور سے جاری تھی، ایرانی جوش میں برابر بڑھتے چلے آرہے تھے اور مسلمان پیچھے ہٹتے جارہے تھے، اتنے میں ایک شخص نے جاکر پل توڑ دیا، تاکہ مسلمان بھاگنے کا خیال چھوڑ دیں اور جم کر لڑیں، لیکن لڑائی کا رنگ ایسا بگڑ چکا تھا کہ ٹھہرنا دشوار ہو گیا، مجبوراً مسلمان پیچھے ہٹے، یہاں پل پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا، گھبراہٹ میں کوئی چار ہزار آدمی دریا میں ڈوب کر مر گئے، مثنیٰ نے یہ رنگ دیکھا تو خود آگے جم کر کھڑے ہو گئے اور پیچھے کے لوگوں کو تسلی دی اور کہا کہ بے فکری سے پل بنائیں، جب پل بن گیا تو باقی آدمیوں کو حفاظت سے اس پار نکال لے گئے، لیکن اتنے عرصہ میں نو ہزار آدمیوں سے صرف تین ہزار رہ گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت مثنیٰ کی مدد کے لیے

تابڑ توڑ کئی فوجیں بھیجیں، ادھر مثنیٰ نے بھی فوج تیار کی، یہ سارا لشکر بویب میں جمع ہوا، ایرانی فوج بھی مہران کی ماتحتی میں آگے بڑھی، دونوں فوجوں میں بڑی سخت جنگ ہوئی، ایرانی بڑے جوش سے لڑے، لیکن اب کی مسلمانوں کی ایک پیش نہ گئی، آخر شکست کھائی اور ہزاروں آدمی کام آئے، خود سردار مہران بھی مارا گیا۔

اس خبر سے سارے ایران میں ہل چل مچ گئی، ملکہ آذری دخت تخت سے اتاری گئی، اس کے بجائے کم سن یزدگرد بادشاہ بنایا گیا، اب کی رستم خود لاکھوں سپاہی لیکر مقابلہ کے لیے نکلا، حضرت عمرؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے، تو ایک بڑی بھاری فوج جمع کی اور خود اسے لے کر چلے، لیکن صحابہؓ نے روکا کہ یہ مصلحت کے خلاف ہے، آخر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سردار مقرر کیے گئے۔

قادسیہ میں جا کے مسلمانوں نے ڈیرا ڈالا، حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ پہلے بادشاہ ایران سے مل لیا جائے اگر معاملہ طے ہو جائے تو خیر ورنہ پھر مجبوراً لڑائی شروع کی جائے، چنانچہ کچھ لوگ اس غرض سے یزدگرد کے دربار میں بھیجے گئے، لیکن کوئی بات طے نہ ہو سکی، اور لڑائی ٹھن گئی اس مرتبہ بھی ہاتھیوں کا سامنا تھا، عربی گھوڑوں نے یہ کالی بلا کبھی کاہے کو دیکھی تھی، بدک بدک کر ہٹنے لگے، یہ مصیبت ایسی سخت تھی کہ پیر اکھڑ جاتے تھے، خیر جوں توں کسی نہ کسی طرح دن تمام ہوا دوسرے دن مسلمانوں نے جھول اور برقعے ڈال کر اونٹوں کی ایسی ڈراونی شکل بنائی کہ ہاتھی دیکھ دیکھ کر بھاگنے لگے، اور ایرانیوں کی جان عذاب میں آگئی، تیسرے دن مسلمانوں نے ہاتھیوں کو مار مار کر بھگا دیا، اور تلواریں لے کر جٹ گئے، دن بھر اور رات بھر لڑائی ہوتی رہی، آخر دوسرے دن ظہر کے وقت ایرانی بھاگ نکلے، مسلمانوں نے بڑھ کر درفش کاویانی (ایرانی جھنڈا) چھین لیا۔ رستم زخم کھا کر بھاگا، اور نہر میں کود پڑا، چلتا تھا

کہ تیر کر نکل جائے، لیکن ایک شخص ہلال بن علقمہ نے پکڑ کر قتل کر ڈالا، اس لڑائی میں تیس ہزار ایرانی مارے گئے۔

حضرت عمرؓ کو اس لڑائی کی بڑی فکر تھی، جب فتح کی خبر ملی، تو بے حد خوش ہوئے

قادسیہ کی فتح نے ایرانیوں کی کمر توڑ دی، دو ایک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد حضرت سعدؓ (مسلمانوں کی فوج کے سردار) نے بڑھ کر ایران کے پایۂ تخت مدائن پر قبضہ کر لیا، یزدگرد پہلے ہی بھاگ چکا تھا، جو رہ گئے، انھوں نے اطاعت قبول کر لی، نوشیرواں کے محل میں پہلے شکرانہ کی نماز پڑھی، پھر وہیں جمعہ ہوا،

مدائن میں دولت کی کوئی حد نہ تھی، پانچواں حصہ جب مدینہ شریف پہنچا، تو درہم و دینار (سونے چاندی کے سکے) کے علاوہ ہیرے جواہرات کے ڈھیر لگ گئے، مدائن کے بعد جلولا اور اہواز وغیرہ میں چند لڑائیاں ہوئیں، آخری معرکہ نہاوند میں جاکر ہوا، ڈیڑھ لاکھ ایرانی میدان میں آئے، مسلمانوں کی تعداد کل تیس ہزار تھی، نعمان بن مقرن فوج کے سردار تھے، ایرانی جی توڑ کر لڑے، اتنا خون بہا کہ میدان میں گھوڑوں کے پیر پھسلنے لگے، نعمان زخم کھا کر گھوڑے سے گرے، لیکن گرتے گرتے حکم دیا کہ مجھے سنبھالنے کی ضرورت نہیں، آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کرو، ان کے بعد حضرت حذیفہؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا، شام ہوتے ہوتے ایرانی شکست کھا کر بھاگ نکلے، مسلمانوں نے ہمدان تک پیچھا کیا اور اس پر بھی قبضہ کر لیا، فتح کے بعد ایک سپاہی نعمانؓ کے پاس سے گذرا، دیکھا تو آخری وقت تھا، سر اٹھایا، انھوں نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کیا ہوا، اس نے کہا فتح، کہا اللہ کا شکر ہے، امیر المومنین (حضرت عمرؓ) کو جلد اس کی خبر دیجائے، یہ کہکر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

حضرت عمرؓ کو جب اس فتح کا حال معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے، لیکن حضرت

نعمانؓ کے غم میں بہت روئے، اس لڑائی میں تیس ہزار کے قریب ایرانی مارے گئے، اس کے بعد اُن کا زور ٹوٹ گیا اور پھر کسی بڑی لڑائی کی ہمت نہیں ہوئی، یزدگرد اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا اور مسلمان فوجیں عرصہ تک اُس کا پیچھا کرتی رہیں، لیکن اس وقت ہاتھ نہ لگا، اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مارا گیا۔

(۲)

شام

اوپر پڑھ چکے ہو کہ یرموک کی لڑائی نے رومیوں کی قوت توڑ دی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو گئی اور سارا ملک شام مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

دمشق میں بہت دن لگے، لیکن آخر ایک دن موقع مل ہی گیا، وہاں کے بڑے پادری کے لڑکا پیدا ہوا تھا، اس خوشی میں سارا شہر وہاں جمع تھا حضرت خالدؓ نے موقع اچھا سمجھا، کچھ آدمی لیکر فوراً شہر میں اتر گئے اور لڑائی شروع کر دی، رومیوں نے جو یہ دیکھا تو فوراً حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس آکر صلح کر لی، اگرچہ اس وقت تک آدھا شہر فتح ہو چکا تھا، مگر چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ صلح کر چکے تھے، اس لئے یہ حصہ بھی اسی حکم میں شامل کر دیا گیا۔

دمشق کے بعد حمص، قنسرین اور قیساریہ وغیرہ فتح کر کے اسلامی فوجوں نے بیت المقدس کے سامنے ڈیرے ڈالدیے، شہر کے لوگوں نے کہا کہ ہم صلح کے لئے تیار ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ خود خلیفہ (حضرت عمرؓ) سے طے ہو، حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو سارے حالات کی اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے مدینہ میں حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام کیا، اور خود بیت المقدس روانہ ہو گئے، جابیہ کے مقام پر فوج کے سرداروں سے ملاقات ہوئی اور وہیں صلحنامہ لکھا گیا۔

اس کے بعد بیت المقدس روانہ ہوئے، اُس وقت آپ بہت ہی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے، لوگوں نے چاہا کہ انھیں بدل کر اچھے کپڑے پہن لیں، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ ہمارے لیے اسلام کی عزت بہت ہے۔

بیت المقدس کے بعد پھر کوئی بڑی لڑائی نہیں ہوئی اور مسلمانوں نے رومی پایۂ تخت انطاکیہ میں جا کر جھنڈا گاڑ دیا، قیصرِ روم نے یہ حال دیکھا تو ہوش اڑ گئے، جوں توں ایک جہاز پر بیٹھ کر قسطنطنیہ کی راہ لی، اور سارا ملک شام مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

(۳)

مصر

مصر بھی رومی حکومت کے ماتحت تھا، اور شام کی حفاظت کے لیے اُس پر قبضہ کرنا ضروری تھا، اس لیے حضرت عمروؓ بن العاص کا خیال تھا کہ مصر بھی فتح ہو جائے تو رومیوں کی طرف سے خطرہ جاتا رہے، چنانچہ انھوں نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا، پہلے تو انکار کیا، لیکن جب حضرت عمروؓ بن العاص نے زیادہ زور دیا تو راضی ہو گئے، اور چار ہزار فوج دے کر انھیں مصر کی طرف روانہ کر دیا۔

پہلا مقابلہ شہر فرما میں ہوا، ایک مہینہ کے قریب لڑائی ہوتی رہی، آخر رومیوں کو سخت شکست ہوئی اور مسلمان آگے بڑھ کر خاص مصر تک پہنچ گئے، مقوقس جو بادشاہِ روم کی طرف سے یہاں کا حکمراں تھا، پہلے سے مقابلہ کے لیے تیاری کر رہا تھا، جب مسلمان قریب آگئے تو قلعہ میں جم کر بیٹھ گیا، عمروؓ بن العاص نے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے، جب زیادہ دن لگ گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کے ساتھ کوئی دس ہزار

فوج بھیجی، اور سات مہینے تک اسلامی فوجیں قلعہ کو گھیرے پڑی رہیں، لیکن کوئی صورت نہ نکلی آخر ایک دن حضرت زبیرؓ نے ہمت کی، زینہ لگا کر فصیل (چہار دیواری) پر چڑھ گئے، اور اندر اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا، اب کیا تھا، مسلمان شہر میں داخل ہو گئے، مقوقس نے امان مانگی جو منظور ہوئی۔

مقوقس نے یہ صلحنامہ سارے مصر کے لیے کیا تھا، لیکن ہرقل (بادشاہ روم) نے اسے منظور نہیں کیا، اور سمندر کے راستے ایک بڑی زبردست فوج اسکندریہ (مصر کا ایک بڑا شہر) بھیجی، مقوقس صلح کر چکا تھا، اس لیے لڑنا نہ چاہتا تھا، لیکن قیصر روم کے خوف سے بظاہر جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا، لیکن در پردہ عمروؓ بن العاص سے کہلا دیا کہ ہم اور ہماری قوم اس لڑائی میں شریک نہیں، اس لیے ہم لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، مسلمانوں نے اس کا وعدہ کر لیا، اور ساری لڑائی میں کسی قبطی (مقوقس کی قوم) کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، رومیوں نے البتہ راستہ میں کئی جگہ مقابلہ کیا، لیکن ہر جگہ شکست کھائی، اسلامی فوج نے بڑھ کر اسکندریہ کو گھیر لیا، چونکہ سمندر کی راہ کھلی ہوئی تھی، اس لیے رومیوں کی کل ضرورتیں پوری ہوتی رہتی تھیں، مسلمان مدت تک شہر کے سامنے پڑے رہے، آخر صلح ہو گئی، اور مسلمان مصر کی طرف واپس آگئے۔

اب سارے ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، حضرت عمروؓ بن العاص نے اسلامی فوج کے لیے ایک شہر آباد کیا، جو اب بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہے، ایک مسجد بھی بنائی جو آج تک جامع عمروؓ بن عاص کے نام سے موجود ہے۔

(۴)

حضرتؓ عمرؓ کی وفات

مدینہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام رہتا تھا، ایک بار اس نے شکایت کی کہ میرے مالک مغیرہ مجھ سے ہر روز دو درم وصول کرتے ہیں، جو میرے لیے بہت زیادہ ہیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو، اس نے کہا بڑھئی کا کام، لوہاری اور نقاشی، آپ نے فرمایا، ان کاموں کو دیکھتے ہوئے تو دو درم کچھ بھی نہیں ہیں، وہ اس فیصلے سے بہت ناراض ہوا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو اس نے آگے بڑھ کر آپ پر کئی خنجر مارے، جب تک لوگ پکڑیں پکڑیں کئی اور آدمیوں کو زخمی کیا، آخر بڑی مشکل سے ہاتھ آیا، لیکن ابھی کچھ ہونے بھی نہ پایا تھا کہ خود خنجر مار کر مر گیا۔

زخم لگنے کے تیسرے دن بدھ کے روز ۲۷ ذی الحجہ (بقر عید) ۲۳ھ کو حضرت عمرؓ نے وفات پائی، اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن کیے گئے، آپ نے کل ساڑھے دس برس حکومت کی، مرتے وقت تک بائیس لاکھ اکاون ہزار تیس (۲۲۵۱۰۳۰) مربع میل زمین پر قبضہ ہو چکا تھا۔

حضرت عمرؓ کے کارنامے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کل ساڑھے دس برس حکومت کی، لیکن اتنی ہی ذرا سی مدت میں روم وایران کے پرخچے اڑ گئے، قیصر وکسریٰ (روم و ایران کے بادشاہ) جن کے نام سے کبھی عربوں کے بدن میں کپکپی پیدا ہو جاتی تھی، اب ان کے تخت ان ہی بدوؤں کے ہاتھوں میں تھے، وہی عرب جو درختوں اور پتھروں کے آگے سر جھکاتے تھے، دیوی اور دیوتاؤں کے آگے ناک رگڑتے تھے، بادشاہوں کے سامنے سجدہ کرتے تھے، اب جو باہر نکلتے ہیں تو اس شان سے کہ نہ بادشاہوں کو خاطر میں لاتے ہیں، نہ سلطنتوں کی پرواہ کرتے ہیں، نہ فوجوں سے ڈرتے ہیں لاکھوں آدمی انھیں روکنے کے لیے بڑھتے ہیں، لیکن جو سامنے آتا ہے تنکے کی طرح بہتا ہے، لوگ حیران ہیں کہ اکبارگی یہ کیا ہو گیا، لیکن اس میں تعجب کی کیا بات ہے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم ہی ایسی زبردست تھی، جہاں ایک بار اسلام کا اثر ہوا اور اللہ کا خیال دل میں جما، پھر کیا تھا، ساری دنیا قدموں کے نیچے تھی، وہ اللہ کے ہو گئے تھے، اللہ ان کا ہو گیا تھا،

(۶)

نظامِ خلافت

جیسا کہ اوپر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے کہ انھوں نے اپنے زمانہ میں عہد رسالت کے نظامات علیٰ حالہٖ قائم رکھے اور اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بہت سے ملک فتح ہوئے، بہت سی قومیں اسلام لائیں، اس سے خلافت کا نظام وسیع کرنا پڑا، اور اس نے باقاعدہ اسلامی حکومت کی شکل اختیار کرلی، اس حکومت کے انتظامات کی فہرست بہت لمبی ہے، اس زمانہ کی ایک متمدن سلطنت کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا، جو آپ نے قائم نہ کیا ہو، لیکن ان سب کی بنیاد جمہوریت اور صحیح اسلامی تعلیمات پر رکھی،

مجلسِ شوریٰ قائم کی، اکابر صحابہؓ اس کے ارکان تھے، تمام اہم معاملات اسی کے مشورے سے طے ہوتے تھے، اور عام مسلمانوں کو بھی نہایت آزادی کے ساتھ رائے دینے کا اختیار دیا، مفتوح ملکوں کو متعدد صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا، اور ان کی مردم شماری کرائی، قابل کاشت زمینوں کا بند و بست کرا کے اُن کی پیداوار پر خراج اور عشر مقرر کیا، تجارت پر چنگی لگائی، صوبہ میں گورنر، کلکٹر، میر منشی، اور خزانچی مقرر کئے، عدالت اور پولیس کے محکمے علٰحدہ قائم کیے، اور ہر ہر ضلع میں فصل مقدمات کے لیے قاضی مقرر کیے، قانون کی عام واقفیت کے لیے محکمۂ افتاء قائم کیا، عام نگرانی اور دیکھ بھال کیلئے محکمۂ احتساب قائم

کیا، بیت المال کے لیے عظیم الشان عمارت بنوائی، اور تمام ملک کے محاصل کے آمد و خرچ کے حساب و کتاب کا مکمل انتظام کیا، عام ضلعوں اور صوبوں میں سرکاری عمارتیں بنوائیں، رفاہِ عام کے سلسلے میں سڑک، پل، مکہ اور مدینہ کے درمیان ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور پانی کے مخزن تیار کرائے، زراعت کی ترقی کے لیے ملک میں متعدد نہریں کھدائیں، عراق میں، کوفہ، بصرہ، موصل اور مصر میں فسطاط جیسے بڑے بڑے شہر بسائے کئی ہزار مسجدیں بنوائیں، ملک کے سارے اندھے، لنگڑے، لولے اور اپاہجوں کو وظیفے ملتے تھے،

فوج کا بڑا زبردست انتظام کیا، چند برسوں میں کئی لاکھ مسلح فوج تیار کرلی، تمام بڑے بڑے اہم مقامات اور سرحدوں پر چھاؤنیاں قائم کیں اور مضبوط قلعے تیار کیے، فوج کے علاوہ ملک کے امن وامان کے لیے پولیس کا محکمہ الگ قائم کیا، حکومت کے عہدہ داروں کی نہایت سختی سے نگرانی کرتے تھے، کسی بڑے سے بڑے عہدہ دار کو معمولی سے معمولی آدمی پر زیادتی کرنے کی جرأت نہ تھی، عام اعلان کرا دیا تھا کہ جن جن لوگوں کو اپنے حاکموں اور عہدہ داروں سے کوئی سی کوئی شکایت ہو تو وہ حج کے موقع پر جبکہ ہر صوبے کے حکام موجود ہوتے ہیں بیان کریں، اس طریقہ پر شکایت کا فوراً تدارک ہو جاتا تھا، کسی عامل کو اس کی زیادتی پر چھوڑتے نہ تھے بلکہ مجمع عام میں اسے سزا دیتے تھے،

بیت المال کی حفاظت کا بڑا خیال تھا، ایک حبہ بھی بیکار صرف نہ ہونے پاتا تھا، ایک مرتبہ آپ کو دوا کے لیے شہد کی ضرورت پڑی، شہد کی حقیقت کیا تھی، مگر جب تک مسلمانوں سے اجازت نہ لے لی، اس وقت تک نہ لیا۔

رعایا کے آرام و تکلیف کا بڑا خیال تھا، راتوں کو گشت کر کے ان کے حالات کی تحقیقات کرتے، دور دراز ملکوں میں مخبر مقرر کر رکھے تھے، جو ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی خبر بھیجتے تھے، تمام رعایا کو

آپ ایک نظر سے دیکھتے تھے، امیر و غریب سب آپ کی نگاہ میں برابر تھے، دونوں کے ساتھ یکساں برتاؤ تھا، انصاف میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی اولاد کو بھی نہ چھوڑتے تھے، ایک لڑکا اسی میں قضا کر گیا،

آپ نے مذہب اسلام کی بڑی خدمت کی، آپ کے زمانہ میں ہزاروں آدمی مسلمان ہوئے ہزاروں مسجدیں بنوائیں، حرم شریف اور مسجد نبویؐ کی عمارت بہت تنگ تھی اس کو وسیع کرایا، مجاہدین کے بال بچوں کے وظیفے مقرر کیے، اللہ کی کتاب اور رسول کے فرمان کو سارے ملک میں پھیلایا، ہر شہر میں قرآن کی تعلیم کے لیے مدرسے قائم کیے، جن میں معمولی لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا، اس لیے عربوں میں بہت جلد تعلیم پھیل گئی،

خود بڑے زبردست فاضل صحابی تھے، کئی مذہبی علم آپ نے ایجاد کیے، بڑے عابد و زاہد اور متقی تھے، خدا کے خوف سے ہر وقت کانپا کرتے تھے، نہایت معمولی موٹا جھوٹا کھاتے تھے، اور پھٹے پرانے کپڑے پہنتے تھے، آپ کی زندگی ایسی سادی تھی کہ آپ میں اور آپ کے غلام میں کوئی فرق نہ معلوم ہوتا تھا، آپ کا روزانہ خرچ کل دس آنے روز کا تھا، خیال کرنے کی بات ہے کہ عرب، عراق، ایران، شام اور مصر جیسے ملک جس خلیفہ کے زیر فرمان ہوں اور قیصر و کسریٰ کے خزانے جس کے قبضہ میں رہے ہوں، اس کی زندگی ایسی سادہ ہو۔

---

(۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

(۱)

فتوحات

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا، آپ پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے، پہلے حضرت کی بیٹی حضرت رقیہؓ ان کے نکاح میں آئیں، ان کے انتقال کے بعد پھر دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح ہوا آپ بڑے مالدار تھے لیکن آپ کی دولت ہمیشہ اللہ کی راہ میں خرچ ہوتی رہی، بعض لڑائیوں میں پوری پوری فوج کا خرچ اٹھایا۔

خلیفہ ہوتے ہی آپ نے ایک تقریر کی، اور گورنروں اور فوج کے سرداروں کے نام حکم بھیجا کہ رعایا کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کریں، اس کے بعد انتظامات شروع کیے، ایران حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا، لیکن ابھی یزدگرد (بادشاہ ایران) زندہ تھا جس کی وجہ سے آئے دن کوئی نہ کوئی فساد ہوتا رہتا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس طرف پوری توجہ کی، چند ہی دن میں یزدگرد مارا گیا، اس کے بعد اس قسم کے جھگڑے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے اور خراسان، سیستان، افغانستان اور خوارزم سے لے کر سندھ تک قبضہ ہو گیا۔

ایران پہلے ہی فتح ہوچکا تھا، اب مسلمان آرمینیا کے علاقہ میں بھی گھس گئے، اور طفلس تک فتح کرلیا تھا، ابھی تک مسلمانوں کے پاس جنگی جہاز بالکل نہ تھے، اس لیے سمندر میں رومیوں کا مقابلہ نہ کر پاتے تھے، شام کے گورنر حضرت معاویہؓ نے اس طرف توجہ کی، تھوڑے ہی دنوں میں ایک زبردست بیڑا بنا کر قبرص پر قبضہ کرلیا، اور خشکی و تری دونوں پر اسلام کا جھنڈا اڑنے لگا۔

مصر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوچکا تھا، تمھیں یاد ہوگا کہ اسکندریہ کے متعلق رومیوں سے صلح ہوگئی تھی، لیکن انھوں نے وعدہ خلافی کی، اور موقع پا کر سمندر کے راستے پھر فوجیں اتاردیں حضرت عمروؓ بن العاص کو معلوم ہوا تو بڑھ کر سخت شکست اور شہر پر قبضہ کرکے فصیل توڑ ڈالی، تاکہ پھر کوئی کھٹکا نہ باقی رہے ۲۷ھ میں عمروؓ بن العاص کی جگہ عبداللہؓ بن سعد مصر کے حاکم مقرر ہوئے، انھوں نے ۲۸ھ میں شمالی افریقہ کے علاقے طرابلس، تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ فتح کرلیے، اور یورپ کی سرحد تک مسلمان پہنچ گئے، اسی زمانہ میں انھوں نے ہسپانیہ پر بھی حملہ کیا، اسی زمانہ میں ہرقل بادشاہ روم نے ایک مرتبہ پھر اپنا ملک واپس لینے کی کوشش کی، اور سمندر کی راہ سے شام کے ساحل پر حملہ کیا، لیکن اس مرتبہ مسلمانوں کے پاس بیڑا موجود تھا، امیر معاویہؓ خود اپنا بیڑا لیکر پہنچے، کھلے میدان میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں رومیوں کو شکست ہوئی، اس کے بعد پھر انھوں نے کبھی ایسی ہمت نہ کی،

مشرق کا قریب قریب کل علاقہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوچکا تھا، ان میں سے بعض بعض مقاموں پر بغاوتیں ہوئیں، حضرت عثمانؓ نے نہایت مستعدی سے انھیں فرو کیا، اسی سلسلہ میں آرمینیہ، آذربیجان اور ایران کے گوشوں کے بعض وہ علاقے جو رہ گئے تھے، فتح ہوگئے، خراسان افغانستان اور ترکستان میں بعض نئے علاقے زیرنگیں ہوئے، ماوراء النہر پر بھی مسلمانوں نے فوج کشی کی، لیکن یہاں کے باشندوں نے صلح کرلی۔

(۲)

مسلمانوں میں تفرقہ
اور
حضرت عثمانؓ کی شہادت

شروع میں حضرت عثمانؓ کا زمانہ بہت اچھا رہا، مسلمان چاروں طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے، اگر دو چار برس یہی حالت رہتی تو ساری دنیا پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگتا، لیکن چند بدمعاشوں نے سارا کام بگاڑ دیا۔

اوپر پڑھ چکے ہو کہ یہودی اسلام کے کیسے سخت دشمن تھے شروع میں انھوں نے تلوار کے زور سے مسلمانوں کو ختم کر دینا چاہا، اور اس کے لیے جان توڑ کوشش کی، لیکن جب کچھ نہ ہو سکا تو وہ دوست بن کر نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، عبداللہ بن سبا یمن کا ایک یہودی تھا، اسلام کی ترقی اس سے دیکھی نہ جاتی، لیکن کرتا کیا، اتنی طاقت نہ تھی کہ کھل کر مقابلہ کرتا، آخر کچھ سوچ کر مسلمان ہو گیا، اب رات دن اسی فکر میں رہتا کہ کسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے، آخر سوچتے سوچتے ایک بات اس کی سمجھ میں آگئی، اس نے دیکھا کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریبی عزیز ہیں، ویسے بھی مسلمانوں میں ان کی بڑی عزت ہے، اگر ان کے نام پر حضرت عثمانؓ کے خلاف کام کیا جائے تو بہت جلد کامیابی ہو سکتی ہے، لیکن مشکل یہ تھی کہ عرب میں صحابہ کا اثر کافی تھا، جو حضورؐ کے ساتھ رہ چکے تھے، اور اسلام کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے، اس لیے یہاں ایسی باتیں چل نہیں سکتی تھیں، عراق کا علاقہ ابھی نیا نیا فتح ہوا تھا، اگرچہ یہاں

اسلام کافی پھیل گیا تھا، لیکن ابھی تک لوگوں کے دلوں سے ایرانی بادشاہ پرستی[1] کا اثر دور نہیں ہوا تھا، ابن سبا نے سوچا اس سے بہتر اور کون سی جگہ ہو سکتی تھی، فوراً یمن سے چل کر بصرہ آیا اور یہاں پہنچکر اپنا کام شروع کر دیا۔

یہ لوگوں سے ملتا اور کہتا کہ عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے عزیز قریب تو یوں ہی رہ گئے اور ادھر اُدھر کے لوگ خلیفہ بن بیٹھے، اب بھی وقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ہٹا کر ان کی جگہ حضرت علیؓ کو بادشاہ بنا دو، صحابہ ہوتے تو جواب دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا دین پھیلانے آئے تھے، خدانخواستہ کچھ اپنے خاندان میں بادشاہت قائم کرنے تھوڑے ہی آئے تھے، آپنے تو خود ہی فرما دیا تھا کہ نبی کوئی وراثت نہیں چھوڑتے، آخری حج کے موقع پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ عزت حسب و نسب سے نہیں ملا کرتی، بلکہ اس کے لیے عمل ضروری ہے، جو زیادہ پرہیزگار ہے وہی عزت کا زیادہ حقدار ہے، اس بارہ میں آپنے اتنی سختی فرمائی تھی کہ اپنے خاندان کے لیے زکوٰۃ وغیرہ کی آمدنی حرام کر دی تھی، تاکہ لوگ یہ نہ خیال کریں کہ یہ اللہ کا نام لے کر اپنے خاندان میں دولت جمع کرنا چاہتے ہیں لیکن یہاں کون تھا جو اس قسم کا جواب دیتا، عراقی اور ایرانی بھلا ان باتوں کو کیا سمجھتے، ان کی تو ساری عمر بادشاہوں کی چوکھٹ پر سر رگڑتے گذری تھی، انھوں نے تو زندگی بھر یہی دیکھا تھا کہ باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا تخت پر بیٹھتا ہے، انھیں کیا معلوم تھا کہ اسلام خاندان، نسل اور خون

---

[1] ایران بلکہ ساری دنیا میں یہی طریقہ تھا کہ لوگ بادشاہوں کو خدا کی طرح مانتے، ان کے آگے سجدے کرتے اور معلوم نہیں کس کس طرح تعظیم بجا لاتے، باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا تخت پر بیٹھتا اور یہی درست سمجھا جاتا، لوگ دنیا کی ہر چیز میں اسی طریقہ کو صحیح سمجھتے تھے، نبیوں، ولیوں اور بزرگوں کے متعلق بھی ان کا یہی خیال تھا کہ باپ کی گدی بیٹے ہی کو ملنی چاہیے۔

کے یہی بندھن کاٹنے آیا ہے، اور ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے جس میں بادشاہ یا امیر وراثت اور خاندانی اثر کی وجہ سے نہیں، بلکہ اپنی ذاتی قابلیت اور قوم کی رائے سے منتخب ہوگا، نتیجہ یہ ہوا کہ ابن سبا کی باتیں ان کے دل میں اثر کر گئیں۔

رفتہ رفتہ بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو خبر ہوئی، انھوں نے اسے شہر سے نکلوا دیا اب یہ شخص کوفہ پہنچا، وہاں بھی اسی قسم کی شرارت کی اور کچھ دن کے بعد نکالا گیا، یہاں سے شام گیا، لیکن وہاں حضرت امیر معاویہؓ کی وجہ سے اسکی کوئی تدبیر نہ چلی، وہاں سے بھاگ کر مصر پہنچا، یہاں اس نے چپکے چپکے اپنا کام شروع کیا اور تھوڑے دن میں اچھی خاصی جماعت بنالی۔

حضرت عثمانؓ بڑی نرم طبیعت کے تھے، اس لیے ان کے زمانہ میں اُن کے خاندان کے نوجوانوں نے خلافت کے سبب سے محکمے اپنے قبضہ میں کر لیے، اور چونکہ نوجوان تھے، تجربہ نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے بے دھڑک جو چاہتے کر گزرتے، حضرت عثمانؓ کو اول اس کی اطلاع نہ ہونے پاتی، اور ہوئی بھی تو اپنی نیکی کی وجہ سے چپ رہے، اس لیے عبداللہ بن سبا کی جماعت کو حضرت عثمانؓ اور ان کے افسروں کو بدنام کرنے کا موقع مل گیا اور وہ ایک سچ میں دس جھوٹ ملا کر طرح طرح سے مشہور کرتے۔

نام بدل بدل کر نئی نئی جگہوں سے مختلف شہروں میں طرح طرح کے خط بھیجے، جن میں اپنے شہروں کی بری حالت دکھاتے اور افسروں کا ظلم بیان کرتے، لوگ بیچارے کیا جانتے کہ اصل قصہ کیا ہے، پڑھ کر افسوس کرتے، اور کہتے کہ شکر ہے کہ ہم اس مصیبت سے بچے ہوئے ہیں، غرض کہ چند ہی برس میں سارے ملک میں یہی چرچا ہونے لگا۔ اب مدینہ میں بھی اسی قسم کی خبریں آنی شروع ہوئیں، لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو خبر دی اور کہا ذرا دریافت تو فرمایئے، واقعہ کیا ہے، آپ نے اس غرض سے کئی معتبر آدمی روانہ فرمائے، سب نے واپس آکر بیان کیا کہ

کہیں کوئی خرابی نہیں ہے، ہر جگہ امن ہے، اور تمام کام پہلے کی طرح خیر و خوبی سے ہو رہے ہیں، لیکن سبائی (ابن سبا کے آدمی) برابر جھوٹ پھیلاتے رہے، اس کا اثر یہ ہوا کہ ساری سلطنت میں حضرت عثمانؓ اور ان کے افسروں کے خلاف قصے مشہور ہو گئے، یہاں تک کہ مدینہ میں بھی یہ ذکر ہونے لگا۔

جب چرچا زیادہ ہوا تو حضرت عثمانؓ نے تمام افسروں کو حکم بھیجا کہ موقع پر حاضر ہوں، جب سب جمع ہوئے تو پوچھا کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے، اور یہ خبریں کیوں پھیل رہی ہیں، لوگوں نے کہا کہ صاف صاف تو پتہ نہیں چلتا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چند بدمعاش مل کر اس قسم کی خبریں اڑاتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ ایسے لوگوں کو پکڑ کر قتل کر دیں، تاکہ یہ فتنہ دب جائے لیکن حضرت عثمانؓ بہت ہی نرم مزاج اور رحمدل تھے، اپنے امکان بھر وہ رعایا کا خون بہانا نہیں چاہتے تھے، چونکہ سبائی ابھی تک اچھی طرح ظاہر نہیں ہوئے تھے، اس لیے انھوں نے صرف شبہہ پر اتنی سخت کارروائی کی اجازت نہیں دی، اور یہ آگ یونہی چپکے چپکے سلگتی رہی۔

کچھ دنوں کے بعد کوفہ، بصرہ، اور مصر تینوں مقامات کے سبائی آپس میں طے کر کے مدینہ روانہ ہوئے اور شہر کے باہر جا کر ٹھہر گئے۔ حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان لوگوں کو بلایا اور سب صحابہؓ کے سامنے ان سے کہا کہ اپنی شکایتیں بیان کریں، جب یہ سب کہہ چکے تو آپ نے ہر بات کا پورا پورا جواب دیا اور اچھی طرح سمجھایا کہ صورت کیا ہے، ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کیوں کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اپنے ذاتی مال سے کرتا ہوں، سرکاری خزانہ سے کبھی ایک حبہ بھی ان کو نہیں دیتا، میرا تو یہ حال ہے کہ اپنے خرچ کے لیے بھی کبھی ایک پیسہ (تنخواہ) سرکاری خزانہ سے نہیں لیتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ مروان بن حکم کو مکہ آنے کی اجازت کیوں دی، تو بھائی اس میں میرا

کیا قصور ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اپنی زندگی میں اجازت دے دی تھی، اب میں روکنے والا کون ہوں، تم لوگ کہتے ہو کہ میں نے نوجوانوں کو حاکم بنا دیا ہے، تو یہ کوئی بری بات نہیں، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کو (جو بہت کم عمر تھے) بڑے بڑے سن رسیدہ صحابہؓ پر امیر بنایا تھا، حالانکہ اس وقت ان کی عمر صرف سترہ سال کی تھی، میں نے جسے امیر بنایا ہے اس کی لیاقت، عقل، دینداری اور ایمانداری کو جانچ کر امیر بنایا ہے، تم کہتے ہو کہ میں نے عبداللہ بن سعد کو ایک بڑی رقم کیوں دی، حالانکہ تمھیں معلوم ہے کہ خلیفہ کو انعام و اکرام دینے کا اختیار ہے، انھوں نے افریقہ کی فتح میں بڑی محنت کی تھی، اس پر خوش ہو کر انھیں یہ انعام دیا گیا، لیکن پھر بھی لوگوں کی ناخوشی کے خیال سے وہ واپس لے لیا گیا۔

غرض حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ایک ایک بات کا پورا جواب دیا۔ ہر ہر جواب پر صحابہؓ سے پوچھتے جاتے تھے کہ ٹھیک ہے یا نہیں، سب کہتے کہ بالکل صحیح اور درست ہے۔

حضرت عثمانؓ نے ہر بات اس طرح صاف کر دی تھی کہ اگر سچ مچ کوئی شکایت ہوتی تو ختم ہو گئی ہوتی، لیکن ان لوگوں کا مقصد یہ تھوڑے ہی تھا، یہ تو صرف فساد چاہتے تھے چنانچہ واپس جا کر پھر ادھر اُدھر خط و کتابت شروع کی اور غلط سلط باتیں پھیلانے لگے، اور اگلے سال حج و زیارت کے نام سے کوفہ، بصرہ، مصر، سے سولہ سولہ سو آدمی چلے، اس خیال سے کہ لوگ شبہہ نہ کریں، چار ٹکڑے کر کے آگے پیچھے روانہ ہوئے، اور مدینہ سے تین منزل پہلے ٹھہر گئے۔ پہلے مدینہ کی حالت دیکھنے کے لیے دو آدمی روانہ ہوئے، پھر موقع دیکھ کر کچھ اور زائد لوگ آئے اور حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے ملے، ان سے حضرت عثمانؓ کی برائیاں بیان کیں اور کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ان کے بجائے آپ خلافت کا کام سنبھالیں، لیکن ان

بزرگوں نے صاف انکار کر دیا، تو یہ لوگ مع اپنے ساتھیوں کے واپس گئے، اس کے بعد اکٹھا ہوکر سب نے مدینہ پر دھاوا کر دیا، اور آکر حضرت عثمانؓ کا مکان چاروں طرف سے گھیر لیا، اور شہر میں اعلان (پکار) کر دیا کہ جو شخص خیریت چاہتا ہو، ہتھیار رکھ دے۔

حضرت علیؓ نے جاکر پوچھا کہ ابھی تو تم چلے گئے تھے، اب کیوں واپس آئے ہو، مصر والے بولے ہم تو چپ چاپ چلے جا رہے تھے، راستہ میں ہم نے ایک خط پکڑا جس میں لکھا ہے کہ جب ہم مصر پہنچیں تو قتل کر دیے جائیں، یہ سنکر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ اور بصرہ والوں سے پوچھا، کہ تم کیوں آئے ہو، انھوں نے بھی یہی جواب دیا، اب ان لوگوں کا جھوٹ بالکل ظاہر تھا،

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا راستہ تو الگ الگ ہے، آخر تین منزل کے بعد تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ مصریوں کے لیے اس قسم کا حکم جا رہا تھا جسے انھوں نے پکڑ لیا ہے کہ مارے جوش کے مدد کے لیے آپہنچے، خدا کی قسم تم سب جھوٹے ہو، تم نے پہلے ہی سے سازباز کر رکھا تھا۔

کوئی بات ہوتی تو جواب دیتے، جھوٹ کہاں تک چلتا، حضرت علیؓ کے اعتراض پر یہ سب ہکا بکا ہوکر رہ گئے، جب کچھ جواب نہ بن پڑا، تو کہنے لگے، آپ جو چاہیں کہیں ہم تو اس خلیفہ کو قتل کر کے رہیں گے، اس میں آپ بھی ہمارا ساتھ دیجیے، حضرت علیؓ نے ان پر لعنت کی، اور کہا ہرگز نہیں، میں تمھارا ساتھ کسی طرح نہیں دے سکتا، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ بھی ایسی ہی باتیں ہوئیں، انھوں نے بھی انھیں ڈانٹا اور ان پر لعنت بھیجی، لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا، اور یہ سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس گئے، اور وہی جعلی خط پیش کیا، یہ خط ایسا صاف بنا ہوا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے دیکھتے ہی انکار کیا کہ یہ میرا خط ہے اور نہ اس کی بابت کچھ جانتا ہوں، اگر

سچ مچ کوئی واقعہ ہوتا تو یہ لوگ جان جاتے، لیکن ان کا تو منشا ہی کچھ اور تھا، اس لیے وہی رٹ لگائے رہے کہ تمہیں ہم نہ مانیں گے، یہ تو آپ ہی کا خط ہے۔

گھر پہلے ہی گھیر چکے تھے، چند دن کے بعد نکلنا بیٹھنا، دانہ پانی سب بند کر دیا، یہ بڑا نازک وقت تھا، بڑے بڑے صحابہ گھروں میں بند تھے، کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ باہر نکل سکے، سارے شہر میں انہی شیطانوں کا راج تھا، حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کو نہیں بچا سکتے اور باغی ان کو بھی بدنام کرنا چاہتے ہیں تو اپنے صاحبزادوں حسنؓ حسینؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے بھیج دیا اور خود مدینہ چھوڑ کر چلے گئے،

غرض کہ مدینہ بالکل خالی ہو گیا اور باغیوں نے آخر بائیس ۲۲ روز کے محاصرہ کے بعد دروازہ میں آگ لگا دی، اور اسے گرا کر اندر گھس گئے، بعض لوگ پڑوس کے مکان سے کود کر پہنچ گئے، حضرت عثمانؓ قرآن پڑھ رہے تھے، باغیوں (بلوہ کرنے والوں) نے تلوار ماری تو فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ پر خون کے قطرے گرے، آپ کی بی بی حضرت نائلہؓ نے بچانا چاہا تو ان کی انگلیاں ہتھیلی سے کٹ گئیں، قتل کے بعد سر کاٹا، پھر گھر کا سارا سامان لوٹ لیا)

یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ (بقر عید) ۳۵ھ (۲۰ مئی ۶۵۶ء) کو ہوا، اُسی دن سے مسلمان ایسے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے کہ پھر آج تک جڑنا نصیب نہ ہوا، اب تک مسلمان اپنے خلیفہ یا سردار کے خلاف ایک قدم بھی اٹھانا کفر کے برابر سمجھتے تھے، لیکن اس کے بعد یہ خیال دل سے نکل گیا اور ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان کی گردن کاٹنے لگی، اور وہ مسلمان جو زور و قوت میں پہاڑ تھے، آپس میں ٹکرا کے چور چور ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ نے شروع شروع میں بجنسہ حضرت عمرؓ کے انتظامات قائم رکھے، لیکن

پھر کچھ دنوں کے بعد اس میں ردو بدل شروع کر دیا۔ آپ کے زمانہ میں مسلمانوں کا بحری بیڑا بنا۔ امیر معاویہؓ کو بہت دنوں سے اس کا بڑا شوق تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے اجازت نہیں دی تھی، شروع شروع میں حضرت عثمانؓ بھی انکار کرتے رہے، لیکن جب آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے، تو اجازت دیدی، امیر معاویہؓ نے چند دنوں میں ایسا زبردست بیڑا تیار کر لیا کہ قیصر روم کے پانسو جہازوں کے بیڑے کو نہایت زبردست شکست دی۔

حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں بہت سے رفاہ عام کے کام کیے پل بنوائے، سڑکیں نکلوائیں، مسافر خانے تعمیر کرائے، لوگوں کے وظیفوں میں اضافہ کیا۔

مذہبی خدمت بھی انجام دی، مسجد نبویؐ کی عمارت تنگ تھی، اسے تڑوا کر بڑی زبردست اور خوبصورت عمارت بنوائی، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ قرآن کی اشاعت کی، اور تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے زمانہ میں قرآن مرتب کرا چکے تھے، جو حضرت حفصہؓ کے پاس رکھا ہوا تھا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں عجمی مسلمانوں نے قرآن کی قراتوں میں اختلاف شروع کیا کوئی کسی طریقہ سے پڑھتا، کوئی کسی طریقہ سے، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ والا قرآن منگا کر اس کی نقلیں کرا کے تمام ملکوں میں بھیجدیں، اور جو قرآن تھے، انھیں لیکر ضائع کرا دیا، اگر حضرت عثمانؓ نے فوراً یہ تدبیر نہ کی ہوتی تو مسلمانوں میں بڑا فتنہ پیدا ہو جاتا اور اللہ کی کتاب میں اختلاف قائم ہو جاتا۔

یہ سب کچھ آپ نے کیا، لیکن آپ نرم مزاج اور نیک ایسے تھے کہ سختی جانتے ہی نہ تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظام خلافت کو کچھ آپ کے خاندان والوں نے اور کچھ آپ کے اختلاف نے گڑبڑ کیا، آپ کے مخالفین جو پہلے ہی تاک میں تھے، آپ کو بدنام کر کے اتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا، جس کو تم اوپر پڑھ چکے ہو۔

آپ بڑے نیک، نرم مزاج اور بردبار تھے، سختی کرنا جانتے ہی نہ تھے، سخت سے سخت باتیں سن کر پی جاتے تھے، آپکے دل میں خدا کا بڑا خوف تھا، ہر وقت خدا کے خوف سے کانپا کرتے تھے، شرم وحیا آپ میں اتنی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کا لحاظ کرتے تھے، حضرت عثمانؓ نے ابتدا سے ناز ونعمت میں پرورش پائی تھی، اس لیے موٹا جھوٹا نہ کھا سکتے تھے، اور خوش خوراک وخوش لباس تھے، لیکن اس کے باوجود زہد وتقوی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، طبیعت میں بڑی سادگی تھی، لونڈی غلام سب کچھ تھے، لیکن اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے، دوسروں کے وقت پر بہت کام آتے تھے۔ اپنے خاندان کے تمام غریبوں کی پرورش اپنے روپیہ سے کرتے تھے۔

---

(۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ

(۱)

آپس کے جھگڑے

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد صحابہؓ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا، پچھلے باب میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے حالات پڑھ چکے ہو کہ مدینہ میں باغیوں کی حکومت تھی اُن کو کوئی دبانے والا نہ تھا، اس لیئے یہ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے، ان کو نکالنا آپ کے بس میں بھی نہ تھا، اس لئے خاموش رہے،

خلافت کے بعد حضرت علیؓ بڑی سخت مشکل میں پھنسے ہوئے تھے، لوگ آ آکر کہتے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پوری پوری سزا دیجائے، حضرت علیؓ کی خود بھی یہی رائے تھی، لیکن مشکل یہ تھی کہ باغی (بلوائی) چاروں طرف ایسے چھاگئے تھے کہ اُن کے خلاف کچھ کرنا تو بڑی بات ہے، زبان سے بھی ایک لفظ نکالنا دشوار تھا، آپ نے لوگوں کو سمجھایا کہ ابھی ٹھہر جاؤ ذرا حالت بدلے، تو ان باغیوں کی خبر لیجائے، لیکن کچھ لوگ آپ کی مجبوری کو سمجھتے نہ تھے یا سمجھنا نہیں چاہتے تھے، اس لئے اُن کا اصرار برابر بڑھتا جاتا تھا، اور چونکہ قاتل

آپ کی فوج میں آ گئے تھے، اس لئے بعض لوگوں کو بدگمانی پیدا ہوگئی کہ آپ قصاص کو ٹالنا چاہتے ہیں، انھوں نے مکہ جا کر حضرت عائشہ رضؓ سے کہا کہ عثمان رضؓ بڑے ظلم کے ساتھ مار ڈالے گئے اور کوئی اُن کا بدلہ لینے والا نہیں ہے، حضرت عائشہ رضؓ کو یہ سُن کر بڑا صدمہ ہوا، حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ بھی آ گئے، آپ اُن کو لے کر خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے نکل پڑیں،

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپس میں جھگڑا لڑائی پسند نہ کرتے تھے، لیکن ایسی صورت میں کرتے کیا، قاتل آپ کے قبضہ میں نہ تھے، اور حضرت عائشہ رضؓ وغیرہ ان قاتلوں سے بدلہ لینے کے لئے آمادہ تھیں،

غرض دونوں طرف کی فوجیں بصرہ کی طرف بڑھیں، جو عرب کا سب سے بڑا فوجی مرکز تھا، پہلے صلح کی بات چیت شروع ہوئی، چونکہ نیت دونوں کی اچھی تھی، اس لئے معاملہ جلد طے ہوگیا، رات کو دونوں طرف کے لوگ اطمینان سے سوئے، لیکن سبائی (ابنِ سبا کے آدمی) کب پسند کرتے تھے کہ مسلمانوں میں میل ہو جائے، دوسرے اُن کو سب سے بڑا ڈر یہ تھا کہ اگر آپس میں صلح ہو گئی، تو اُن کی خیر نہیں، اس لئے انھوں نے ٹھان لیا کہ چاہے جو کچھ ہو جائے صلح نہ ہونے پائے، اس لئے رات گئے جب سو گئے تو سبائیوں نے اکٹھا ہو کر طے کیا کہ کچھ لوگ حضرت علی رضؓ حضرت زبیر رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کے خیموں کے پاس کھڑے ہو جائیں، باقی لوگ دونوں لشکروں پر حملہ کر دیں، جب شور ہو اور حضرت علی رضؓ پوچھیں کہ کیا ہوا تو کہا جائے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے لشکر نے حملہ کر دیا ہے، اسی طرح جب حضرت عائشہ رضؓ یا حضرت طلحہ رضؓ و حضرت زبیر رضؓ پوچھیں تو کہہ دیا جائے کہ حضرت علی رضؓ کی فوج نے حملہ کر دیا ہے، اس طرح اچھی خاصی جنگ شروع ہو جائے گی،

جنگِ جمل رائے پاس ہوگئی تو یہ لوگ خوشی خوشی اٹھے اور صبح ہونے سے پہلے دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا، حضرت علیؓ نے پوچھا تو کہا کہ حضرت عائشہؓ کے آدمیوں نے چھاپہ مارا ہے، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا کہ حضرت علیؓ کے لشکر نے حملہ کر دیا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف کے لوگوں کو غصہ آیا۔ اور صبح ہوتے ہوتے اچھی خاصی جنگ شروع ہوگئی، دن بھر بڑی سخت لڑائی رہی، آخر بڑی مشکل سے شام کے قریب حضرت عائشہؓ کا اونٹ[۱] زخمی ہو کر گرا تو لڑائی ختم ہوئی، لیکن اس وقت تک دس ہزار آدمی مارے جا چکے تھے، حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ اس میں شہید ہوئے۔ عمرو بن جرموزان حضرت زبیرؓ کا سر کاٹ کر حضرت علیؓ کے پاس لایا، وہ سمجھتا تھا کہ انعام واکرام سے مالامال کر دیا جائے گا، لیکن حضرت علیؓ دیکھتے ہی رو پڑے اور فرمایا کہ زبیرؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دیدو،

لڑائی ختم ہونے کے بعد حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوئے اور آپس میں صفائی ہوگئی اسکے بعد حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئیں، رخصت ہوتے وقت خود حضرت علیؓ کئی میل تک ساتھ تشریف لے گئے، اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو حفاظت کے لئے مدینہ تک ساتھ بھیجا،

صفین کی لڑائی ابھی خدا خدا کر کے ایک جھگڑے سے نجات ملی تھی کہ اس سے بڑا دوسرا جھگڑا کھڑا ہو گیا، امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے، حضرت علیؓ نے اُن کو معزول کر دیا، امیر معاویہؓ بھی معزولی کے ماننے والے آدمی نہ تھے، اس لئے حضرت علیؓ کے خلاف ہوگئے، امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے قریبی عزیز تھے، اُن کو آپؓ کی شہادت کا غم تھا، اور حضرت عثمانؓ کے قاتل حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، اس لئے امیر معاویہؓ کو ایک بہانہ ہاتھ آیا۔ اور وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ کیلئے

---

[۱] اونٹ کو عربی میں جمل کہتے ہیں، اسی لئے اس لڑائی کا نام جنگِ جمل ہے۔

کھڑے ہو گئے، چنانچہ حضرت علیؓ نے جب اُن کے پاس بیعت کرنے کے لیے کہلایا، توانھوں نے جواب دیا کہ جب تک عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ نہ کروگے ہم بیعت نہ کریں گے، لیکن حضرت علیؓ اس کے متعلق کیا کر سکتے تھے، اُن کے پاس اتنی طاقت کہاں تھی کہ چار پانچ ہزار باغیوں کو سزا دیتے، اس لیئے امیر معاویہؓ فوج لیکر نکل کھڑے ہوئے، حضرت علیؓ بھی بڑھے ۳۷ھ کو صفین کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، مہینوں بڑی سخت لڑائی ہوتی رہی، اس لڑائی میں ایک لاکھ کے قریب آدمی مارے گئے، آخری دن سارا دن اور ساری رات تلوار چلتی رہی اور دوسرے دن صبح کو شامی پیچھے ہٹنے لگے، اور قریب تھا کہ بالکل شکست کھا جائیں کہ یکایک نیزوں پر قرآن بلند کرکے پکارنے لگے کہ ہمارے تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرے گی، حضرت علیؓ نے بہتیرا سمجھایا، کہ یہ ایک چال ہے، لڑائی جاری رکھو، بس اب فتح ہوا ہی چاہتی ہے، لیکن بھلا یہ کب سننے والے تھے، یہ تو حضرت عثمانؓ کو شہید کرکے شیر ہو گئے تھے، جب حضرت علیؓ نے زیادہ زور دیا، تو بگڑ کر کہنے لگے، بس رہنے دیجیے، اگر آپ نے جنگ ختم نہ کی تو آپ کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا، جو حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہو چکا ہے، مجبوراً حضرت علیؓ کو فوجیں ہٹا لینی پڑیں، اور اچھی خاصی جیتی جتائی لڑائی ہار جانی پڑی، اس کے بعد دونوں طرف سے دو آدمی مقرر ہوئے کہ یہ جھگڑے کا فیصلہ کردیں، حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ تھے اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاصؓ تھے، اس کے بعد حضرت معاویہؓ دمشق چلے گئے اور حضرت علیؓ کوفہ واپس آ گئے،

تھوڑی بحث کے بعد دونوں نے مل کر طے کر دیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں خلافت سے الگ کر دیئے جائیں اور مسلمان کسی تیسرے شخص کو خلیفہ بنالیں، وقت پر دونوں پنچوں نے اپنا فیصلہ سنایا، ابوموسیٰؓ نے دونوں کو معزول کر دیا، لیکن جب عمرو بن العاصؓ کی

باری آئی، تو انھوں نے کہا کہ میں علیؓ کو معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو جو عثمانؓ کے خون کے ولی ہیں، برقرار رکھتا ہوں، ظاہر ہے یہ فیصلہ حضرت علیؓ کسی طرح نہیں مان سکتے تھے، اس لئے آپ نے پھر شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا، لیکن خود اُن کے لشکر میں جھگڑا پیدا ہو گیا، اور خارجیوں کی ایک نئی جماعت پیدا ہو گئی، جو خود حضرت علیؓ کی مخالف ہو گئی،

اس کی تہ میں بھی وہی سبائی (عبداللہ بن سبا کے آدمی) کام کر رہے تھے اور پڑھ چکے ہو کہ یہ لوگ کسی طرح نہ چاہتے تھے کہ لڑائی ختم ہو، جنگِ جمل (حضرت عائشہؓ والی لڑائی) ان ہی کی وجہ سے ہوئی، صفین (حضرت معاویہؓ والی لڑائی) کا معرکہ ان ہی کی بدولت پیش آیا، پھر حضرت علیؓ کو فتح ہونے لگی، اور اُن لوگوں کو نظر آیا کہ اس کے بعد ہماری باری ہے تو قرآن کی آڑ لی، اور حضرت علیؓ کو مجبور کیا، کہ جیتی جتائی لڑائی ختم کر دیں، پھر جب پنچ مقرر ہوئے، اور انھیں معلوم ہوا کہ صلح ہو جانے والی ہے، جس کے بعد ہماری خیر نہیں تو اُسے کفر قرار دیا، اور حضرت علیؓ سے کہا کہ اس گناہ سے توبہ کیجیے ورنہ ہم آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے،

اب جب حضرت علیؓ نے غلط فیصلہ ناپسند کیا، اور چاہا کہ شام پر چڑھائی کریں تو انھیں خیال ہوا کہ اگر اس میں حضرت علیؓ کو کامیابی ہو گئی تو اس کے بعد ہمارا نمبر ہے، لہٰذا انھوں نے اُس کی مخالفت کی، اور شام کی طرف جانے کے بجائے خود حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے، اور ہنگامہ شروع کر دیا، حضرتِ علیؓ نے لاکھ لاکھ کوشش کی کہ یہ کسی طرح سمجھ جائیں، اور اپنی شرارت سے باز آجائیں، لیکن انھوں نے ایک نہ سنی اور سنتے کیسے اُن کا تو مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں میں تفرقہ قائم رہے، مجبوراً حضرت علیؓ نے اُن کے مقابلہ کی تیاری کی، اور نہروان کے مقام پر بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں خارجیوں کو سخت شکست ہوئی۔

یہ قصہ ختم ہوا تو حضرت علیؓ نے پھر شام کا ارادہ کیا، لیکن کوئی بھی تیار نہ ہوا، اور

جھوٹ موٹ بہانے کر کے گھروں میں بیٹھ رہے، حضرت علیؓ نے یہ رنگ دیکھا تو کوفہ واپس تشریف لائے یہاں روزانہ تقریریں کرتے اور لوگوں کو جوش دلاتے، لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا، آخر عاجز ہو کر شام کا خیال ہی چھوڑ دیا،

آخر میں دونوں طرف کے لوگ بڑے ردّ و کد اور خط و کتابت کے بعد سنہ ۴۰ھ میں اس بات پر رضامند ہو گئے کہ شام اور اس کے ملحقات پر امیر معاویہؓ اور عراق اور اس کے ملحقات حجاز و خراسان وغیرہ پر حضرت علیؓ حکومت کریں،

(۳)
حضرت علیؓ کی شہادت

خارجیوں کی جو جماعت حضرت علیؓ کے طرفداروں سے الگ ہو گئی تھی گو نہروان میں اس کی کمر ٹوٹ گئی تھی، مگر اس جماعت کے لوگ ملک میں اب بھی باقی تھے، ان میں سے تین آدمیوں نے یہ مل کر یہ عہد کیا کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ تینوں کا ایک ہی دن ایک ہی وقت خاتمہ کر دیں،

۱۷ رمضان سنہ ۴۰ھ کو صبح کے وقت آپ کوفہ کی مسجد میں نماز پڑھنے جا رہے تھے، مسجد میں قدم رکھتے ہی عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی نے سر پر تلوار ماری، زخم ایسا گہرا تھا کہ بچ نہ سکے، اور تیسرے دن ۲۰ رمضان سنہ ۴۰ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون،

امیر معاویہؓ پر بھی اسی دن اسی وقت دمشق کی مسجد میں حملہ ہوا مگر وار اوچھا پڑا، اور بچ گئے،

عمرو بن العاصؓ اتفاقاً اس دن مسجد نہ جا سکے تھے اُن کی جگہ ایک دوسرا شخص نماز پڑھنے نکلا

اور شبہہ مین مارا گیا،

حضرت علیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی چاروں طرف ایسے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، کہ آپ کو مسلمانوں کی خدمت کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا، تاہم حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بنی امیہ کے آدمیون نے جو بے عنوانیاں اور خرابیان پیدا کردی تھیں، اُن کو یک قلم مٹادیا، اور اپنے حاکمون اور عہدہ دارون کی ہمیشہ نگرانی کرتے رہے کہ وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھنے پائیں، رعایا کے ساتھ ان کا طرز عمل بڑا مشفقانہ تھا، آپ علم کے اعتبار سے اپنے تمام ساتھیوں میں بہت ممتاز تھے، فیصلے تو آپ کے جیسے کوئی کر ہی نہیں سکتا تھا، آپنے بڑے دلچسپ دلچسپ مقدمات فیصل کئے ہیں، تقریر بڑی اچھی کرتے تھے، آپکے زمانہ میں آپکے پلّہ کا کوئی مقرر نہ تھا،

بڑے عابد و زاہد خلیفہ تھے، نہایت سادہ اور معمولی طرح رہتے تھے، روکھا سوکھا کھانا کھاتے تھے، اور موٹا جھوٹا پہنتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ آپ فیاض اتنے بڑے تھے کہ پیسہ ہاتھوں میں رکتا ہی نہ تھا، ادھر آیا، اودھر گیا، کوئی فقیر محتاج آپکے در سے مایوس ہوتا تھا، کبھی ایسا ہوتا تھا کہ گھر کا کل کھانا فقیر کو کھلا دیا، اور خود بھوکا رہنا پڑا، آپکے مزاج میں بڑی سادگی تھی، اپنا جوتا تک اپنے ہاتھوں سے ٹانک لیتے تھے،

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

حضرت علیؓ کی وفات کے بعد عراق کے لوگوں نے آپکے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، امام حسنؓ بڑے نیک اور نرم مزاج تھے، لڑائی جھگڑے کو سخت ناپسند کرتے تھے، امیر معاویہؓ ان کی نیکی کو سمجھتے تھے، اس لئے ان کی بیعت کے بعد سارے ملک پر قبضہ کر لینا چاہا، حضرت حسنؓ اپنی حکومت کے لئے مسلمانوں میں جھگڑا فساد نہیں چاہتے تھے، اس لئے انھوں نے فوراً حضرت معاویہؓ سے صلح کرلی، اور سارے ملک کی حکومت اُن کے سپرد کردی،

ربیع الاول (بارہ وفات) ۴۱ھ کو یہ صلحنامہ ہوا، اور مدت کے بعد مسلمان پھر ایک جھنڈے کے نیچے آگئے، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ "میرا یہ بیٹا سید ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔"

تیسرا باب

بنی اُمیّہ کی خلافت

(۱)

حضرت مُعاویہ رضی اللہ عنہ

(۲)

ملک کا انتظام

حضرت امام حسنؓ سے صلح کے بعد خلافت پورے طور سے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں آ گئی اور بہت دنوں تک آپ ہی کے خاندان میں رہی، ۲۵ ربیع الاوّل (بارہ وفات) سنہ ۴۱ھ کو آپکے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور مدّت کے بعد مسلمان پھر ایک جھنڈے کے نیچے آگئے، آپ بہت ہی لائق اور سمجھدار بادشاہ ہوئے ہیں، رعایا کے ساتھ بڑی محبت اور نرمی کرتے تھے جب تک بالکل مجبور نہ ہوجاتے ہرگز کسی کو سزا نہ دیتے تھے، آپ کی اسی حکمت و تدبیر سے تمام ملک میں

ف حضرت کے نکڑ دادا (دادا کے دادا) عبد مناف کے دو لڑکے تھے، (۱) ہاشم (۲) امیہ، ہاشم کی اولاد میں ہمارے حضرت ہیں اور امیہ کی اولاد میں امیر معاویہؓ، مروان اور ان کا خاندان، یہ لوگ اُموی اور امیہ کہلاتے ہیں۔

امن ہوگیا،

عراق میں البتہ آئے دن جھگڑے بکھیڑے ہوتے رہتے تھے پہلے آپ نے چاہا کہ نرمی سے کام چل جائے تو اچھا ہے لیکن عراقیوں کو تو تم جانتے ہی ہو کہ کیسے شریر تھے، جیسی جیسی اُن کے ساتھ رعایت ہوتی، اور جس قدر انھیں طرح دیجاتی، ویسے ہی وہ اور شیر ہوتے جاتے، آخر جب کسی طرح کام نہ چلا تو حضرت معاویہؓ نے زیاد کو یہاں کا حاکم بناکر بھیجا، زیاد نے بصرہ پہنچ کر ایک سخت تقریر کی اور کہا کہ

ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے گھر اور خاندان کے لوگوں کو بُرائی سے روکے' ورنہ گنہگار کے بدلے بے گناہ کو بھی سزا دوں گا، بھاگنے والے کے بدلہ موجود کو پکڑوں گا، رات کو باہر پھرنے والا قتل کردیا جائے گا، جو کسی کے گھر آگ لگائے گا میں خود اسے جلادوں گا' جو کسی کے گھر میں سیندھ کاٹے گا، میں اس کا دل چیر ڈالوں گا، کفن کھسوٹوں کو اسی قبر میں زندہ گاڑ دوں گا، اگر جاہلیت کی کوئی بات کسی کی زبان سے نکلی تو اسکی زبان کاٹ کر پھینک دوں گا'

(ہاں) جو حکم مانے گا، اُس کے ساتھ اچھا سلوک ہوگا، حاجت مند کے لئے میرا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، رات برات جب چاہے، آسکتا ہے میں اسکی ضرورت پوری کرنے کو تیار ہوں"

زیاد نے صرف تقریر ہی نہیں کی، بلکہ اس پر پورا پورا عمل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دن میں سارے فتنے دب گئے، اور یہ حالت ہوگئی کہ مکانوں اور دکانوں کے دروازے کھلے رہتے، لیکن کیا مجال کہ کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ لے، سڑک پر کسی کی کوئی چیز گرجاتی تو اُسی طرح پڑی رہتی، خارجیوں کی قوت بھی قریب قریب ختم ہوگئی،

(۲)

فتوحات

حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں رومیوں سے کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں مسلمانوں کو فتح ہوئی، آخر قسطنطنیہ پر ایک زبردست حملہ کیا گیا، لیکن کامیابی نہیں ہوئی، افریقہ کا انتظام عقبہ بن نافع کے سپرد ہوا، اور اُن کی کوششوں سے قریب قریب سارا بربری علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، اور مصر سے لیکر مراکش تک اسلامی جھنڈا لہرانے لگا، یہاں انھوں نے قیروان آباد کرکے فوجی چھاؤنی قائم کی۔

عقبہ کی ہمت کا یہ حال تھا کہ جب فتح کرتے کرتے بحرِ ظلمات کے کنارے پہنچ گئے، تو سمندر میں گھوڑے ڈال دیئے، لیکن جب آگے پانی ہی پانی نظر آیا، تو رک گئے، اور فرمایا:۔

اے اللہ یہ سمندر روکتا ہے، نہیں تو جہاں تک زمین ملتی، تیری راہ میں لڑتا چلا جاتا۔"

(۳)

ولی عہدی

امیر معاویہؓ خلافتِ راشدہ کا طریقہ ختم کرکے بادشاہت قائم کرنا چاہتے تھے، اس لئے اب اُن کی عمر آخر ہونے کو آئی تو مغیرہ بن شعبہ کی رائے سے اپنے لڑکے یزید کو ولی عہد

بنا کر اس کی بیعت یعنی شروع کر دی۔

لیکن ابھی ملک میں یزید سے بدرجہا بہتر لوگ موجود تھے، اس لئے بعض بزرگوں نے اُسے پسند نہیں کیا، حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سخت مخالفت کی کہ اس سے اسلام کی جمہوری روح مٹ جائے گی، اور آیندہ کے لئے شخصی حکومت کا بیج پڑ جائے گا۔[۱]

کچھ شک نہیں کہ ان بزرگوں کی یہ رائے درست تھی، اس سے اسلام کو ایسا سخت دھچکا لگا کہ آج تک سنبھلنا نصیب نہ ہوا، لیکن اس وقت بڑی مشکل یہ تھی کہ بنی امیہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی، اور وہ سارے ملک پر چھائے ہوئے تھے، اس لئے ان کے خلاف کچھ کرنا ناممکن تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت معاویہؓ ان حالات کو خوب سمجھتے تھے، انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ بنی اُمیہ نے بڑی محنت سے سلطنت حاصل کی ہے، اور اب کسی طرح اُسے

---

[۱] اسلام سے پہلے دنیا میں حکومت کا طریقہ یہ تھا کہ ایک بادشاہ ہوتا تھا، جو اپنی رائے سے جو چاہتا تھا کرتا تھا رعایا کو اس کے کاموں میں رائے دینے کا کوئی حق نہ تھا، جب وہ بادشاہ مرتا، تو اُس کی جگہ اس کا بیٹا اور اس کے بعد اس کا پوتا تخت پر بیٹھتا اور اپنی رائے سے کام کرتا، یہی شخصی حکومت ہے، اسلام نے یہ طریقہ بدل دیا اور ایک ایسی حکومت قائم کی جس میں بادشاہ رعایا کی رائے سے بنایا جاتا تھا اور انہی کی صلاح سے حکومت کرتا تھا، اسمیں بادشاہ کیلئے بادشاہ کا بیٹا اور پوتا ہونا ضروری نہیں تھا، بلکہ لوگ قابلیت اور قوت لیاقت دیکھ کر سب سے بہتر آدمی کو بادشاہ بناتے تھے جسے وہ خلیفہ کہتے تھے، اس طریقہ میں خوبی یہ ہے کہ کبھی کوئی خراب آدمی بادشاہ یا خلیفہ نہیں ہو سکتا، ہمیشہ ملک کا انتظام اچھے ہاتھوں میں رہتا ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ ترقی ہوتی رہتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد برابر یہی طریقہ رہا، یزید کی جانشینی کے وقت سے یہ طریقہ بدلا اور مسلمانوں میں بھی شخصی بادشاہت شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت کمزور ہوتے ہوتے ختم کے قریب آ گئی، یہی سب سمجھ کر حضرت امام حسینؓ نے اس کی مخالفت کی تھی۔

اپنے خاندان سے باہر نہ جانے دیں گے ، ان سب باتوں کو سوچ کر انھوں نے یہی رائے قائم کی کہ یزید ہی کو خلیفہ بنانا چاہیے،

دوسری طرف یہ بھی واقعہ تھا کہ اس سے شخصی حکومت کی بنیاد پڑ رہی تھی، اور صاف نظر آرہا تھا کہ اسلام کا وہ جمہوری نظامِ حکومت جس نے چند ہی دنوں میں دنیا کی کایا پلٹ دی تھی، اور دم کے دم میں عرب کے بدوؤں کو قیصر و کسریٰ کے محلوں میں لیجا کر کھڑا کر دیا تھا، اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو رہا ہے، حضرت امام حسینؓ اور اُن کے دوستوں کو بھی خیال تھا جس کی وجہ سے انھوں نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی، اور اس راہ میں اپنی جان تک کی بازی لگادی،

بہر حال ان بزرگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے کسی نہ کسی طرح بیعت کرلی، اس کے بعد سنہ ۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ نے وفات پائی۔

(۲)

یزید

(۱)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت معاویہؓ کے بعد یزید بادشاہ ہوا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ کی مخالفت کا حال پڑھ چکے ہو، ادھر کوفے کے لوگ بھی مخالف تھے، وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اس غرض سے انھوں نے ایک دو نہیں پورے ڈیڑھ سو خط لکھے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق جانتے ہو کہ وہ یزید کی بادشاہت ناپسند کرتے تھے، اور صرف ناپسند ہی نہیں بلکہ اسے اصول اسلام کے بالکل خلاف سمجھتے تھے، لیکن ابھی تک اس سے بچاؤ کی صورت سمجھ میں نہیں آتی تھی، اب کوفہ سے جو اس قسم کی خبریں آنی شروع ہوئیں، تو آپ نے سوچا کہ یہ موقع اچھا ہے، ان لوگوں کی مدد سے پھر صحیح اسلامی حکومت قائم کی جا سکتی ہے، لیکن حضرت علیؓ کے ساتھ ان کوفیوں کا برتاؤ آپ کو اچھی طرح یاد تھا، اس لئے ان خبروں پر یقین نہ آتا تھا، آخر صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے آپ نے اپنے چچیرے بھائی حضرت مسلم کو کوفہ روانہ کیا، مسلم کوفہ پہونچے، تو اٹھارہ ہزار آدمیوں نے فوراً بیعت کرلی، یہ صورت دیکھ کر آپ نے حضرت امام حسین رضی

کو لکھا کہ یہاں کے حالات اچھے ہیں، آپ تشریف لایئے،

اس خط کے بعد اب کوئی شک نہ رہا، اور حضرت امام حسین رضی کوفہ روانہ ہوگئے، یزید کو یہ حال معلوم ہوا، تو اس نے عبیداللہ بن زیاد کو ادھر روانہ کیا، ابن زیاد نے آتے ہی سختی شروع کی، نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہی چار دن میں سارے کوفی اس کے ساتھ ہو گئے، اور بیچارے حضرت مسلم اکیلے رہ گئے، اور جن لوگوں نے بلایا تھا، وہی پکڑ کر ابنِ زیاد کے پاس لے گئے جہاں آپ شہید کر دیئے گئے،

امام حسین رض ابھی راستہ ہی میں تھے کہ یہ خبر ملی، لوگوں کی رائے ہوئی کہ واپس چلیں، لیکن حضرت مسلم کے عزیز کسی طرح راضی نہ ہوئے، اور کہنے لگے، یا تو مسلم کا بدلہ لیں گے یا خود بھی اُنہی کی طرح جان دیدیں گے، تھوڑی دور اور آگے پہونچے، تو حر ایک ہزار سواروں کے ساتھ ملا، اب کوفہ کی حالت بالکل ظاہر ہو چکی تھی، آپ نے واپس ہونا چاہا، لیکن حُر نے روکا، مجبوراً آگے بڑھنا پڑا، کربلا کے مقام پر پہونچے تھے کہ عمرو بن سعد ایک دوسری فوج کے ساتھ ملا، اور بیعت طلب کی، حضرت امام حسین علیہ السلام نے واپس جانا چاہا لیکن ابنِ زیاد نے کہلا بھیجا کہ بغیر بیعت کے چھٹکارا نہیں ہو سکتا، آپنے بہیترا سمجھایا، لیکن ابن زیاد کب ماننے والا تھا، آخر آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم نہیں مانتے تو مجھے یزید کے پاس لے چلو، اس سے مل کر میں خود طے کرلوں گا، لیکن ابن زیاد کا دماغ بگڑ چکا تھا، اس کی سمجھ میں یہ باتیں کیسے آتیں، وہ وہی رٹ لگائے رہا کہ بس یہیں بیعت کرلو،

اب حضرت امام حسین رض بالکل مجبور تھے، اُن سے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ بیعت کر کے اسلام کی روح ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں، ان کی بیعت کا مطلب یہ تھا کہ یہ غلط طرز حکومت اسلامی اصول کے خلاف نہیں ہے، ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین رض یہ کبھی بھی نہیں کر سکتے

تھے، چنانچہ آپ نے انکار کر دیا۔

اب ابن زیاد نے حکم بھیجا کہ جنگ شروع کر دی جائے، اور حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر دانہ پانی بند کر دیا جائے، اس حکم پر اس سختی سے عمل ہوا کہ ننھے ننھے بچے تک پیاس سے بلک بلک کر روتے تھے، لیکن کیا مجال کہ پانی کی ایک بوند بھی اُن کی حلق میں پڑ سکے، سامنے دریا بہہ رہا تھا، اور جانور تک پانی پی پی کر اپنی پیاس بجھا رہے تھے، لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نواسے اور ان کے خاندان والے ایک ایک قطرے کے لئے ترس رہے تھے لیکن اس پر بھی ظالموں کو رحم نہیں آیا تھا، ۱۰ محرم ۶۱ھ کو لڑائی شروع ہوئی، حضرت امام حسینؓ اور آپ کے ساتھی بڑی ہمت اور بہادری سے لڑے، چار ہزار دشمنوں کے مقابلے میں بہتر آدمی کیا کر سکتے تھے، چند گھنٹے میں سب کے سب شہید ہو گئے، صرف امام زین العابدینؓ بیمار تھے، اس لئے بچ گئے،

دشمنوں نے سر کاٹ کر برچھیوں پر چڑھائے، عورتوں کو گرفتار کیا، اور پہلے کوفہ پھر وہاں سے شام روانہ ہو گئے، جب یہ لٹا پھٹا قافلہ دمشق پہنچا تو دشمن تک یہ حال دیکھ کر رو پڑے، یزید بھی ضبط نہ کر سکا، اور بے اختیار رو دیا اور ابن زیاد کو بہت بُرا بھلا کہا، اور اہلِ بیت کو نہایت آرام سے رکھ کر چند دن کے بعد بہت سا سامان دیکر سواروں کی حفاظت میں مدینہ واپس کر دیا۔

(۲)

مدینہ منورہ پر چڑھائی

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی یزید کے مخالف تھے، یہ لڑائی کا رنگ دیکھ کر مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے تھے، یزید کو اُن کی جانب سے بڑا خطرہ تھا، مدینہ والے بھی یزید کے خلاف ہو گئے، اس لئے امام حسینؓ کے بعد اُس نے ابنِ زبیرؓ اور مدینہ والوں کی طرف توجہ کی، اور مسلم بن عقبہ کو بارہ ہزار فوج دے کر مدینہ روانہ کیا، مدینہ والوں کو شکست ہوئی، اور تین دن تک ایسی لوٹ مار رہی کہ خدا کی پناہ، بڑے بڑے لوگ مارے گئے۔ اور سارا مدینہ قریب قریب اجاڑ ہو گیا،

مدینہ کو اس طرح لوٹ گھسوٹ کر تباہ و برباد کر کے یہ فوج ابنِ زبیرؓ سے بیعت لینے کے لئے مکہ کی طرف بڑھی، مسلم بن عقبہ راستہ ہی میں مر گیا، اور حصین ابنِ نمیر فوج کا سردار ہوا، ۲۶ محرم کو یہ لشکر مکہ معظمہ پہنچا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مقابلے کے لئے نکلے لیکن شکست کھا کر پھر شہر میں آ گئے، شامیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا، اور پتھر برسانے شروع کئے، ابھی لڑائی ہو ہی رہی تھی کہ یزید کے مرنے کی خبر آئی، اور جنگ ختم ہو گئی،

(۱۴ ربیع الاوّل ۶۴ھ)

۴

مروان

یزید کے مرنے کے بعد لوگوں نے اُس کے بیٹے معاویہ کو خلیفہ بنایا، یہ بڑا ہی نیک فطرت تھا، یزید کے مظالم کو دیکھ کر اس کا دل حکومت کی جانب سے پھر گیا تھا، چند ہفتہ حکومت کرنے کے بعد اُس نے تخت چھوڑ دیا، اور کہا مجھے سلطنت وحکومت سے کوئی غرض نہیں، تم جسے چاہو بادشاہ بناؤ، یہ کہکر گھر چلا گیا، اور تین ماہ بعد وفات پا گیا، اس کے بعد مروان بنی امیہ کا بادشاہ ہوگیا،

ادھر مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پہلے ہی سے خلیفہ بنا لئے گئے تھے، یزید کے مرنے کے بعد اور دوسرے اسلامی ملکوں نے بھی انہی کے ہاتھ پر بیعت کر لی، شام کا بڑا حصہ انہی کا تابعدار ہوگیا، اور صرف فلسطین (بیت المقدس کا علاقہ) مروان کے پاس باقی رہ گیا، ۲۰ محرم ۶۵ھ کو مرج راہط کے مقام پر ضحاک بن قیس (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طرفدار) اور مروان سے مقابلہ ہوا، بیس دن لڑائی ہوتی رہی، آخر ضحاک مارے گئے، اور شام بنی امیہ کے قبضہ میں آگیا، کچھ دن کے بعد مصر پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا،

(۴)

عبدالملک

رمضان ۶۵ھ میں مروان مرگیا، اور اس کا بیٹا عبدالملک بادشاہ ہوا، اب بڑی بڑی طاقتیں صرف دو تھیں، ایک طرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے، دوسری طرف عبدالملک، دونوں میں جنگ ہونے والی ہی تھی کہ بیچ میں مختار کا قصہ نکل آیا، یہ شخص پہلے حضرت علیؓ کے خاندان کا دشمن تھا، ایک مرتبہ حضرت امام حسنؓ کو گرفتار کر کے دشمن کے سپرد کر دینا چاہا تھا، لیکن اب جو ملک میں یہ ابتری دیکھی تو اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے جھٹ حضرت امام حسینؓ کے خون کا نام لے کر کھڑا ہو گیا، تھوڑے دنوں میں سارے عراق پر اس کا قبضہ ہو گیا، اس کی خود نیت تو درست نہ تھی، لیکن اتنا اچھا ہوا کہ اس طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل ایک ایک کر کے مارے گئے" اور ان ظالموں سے دنیا پاک ہو گئی،

عراق پر قبضہ کے بعد مختار کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ اس نے حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کی، آخر حضرت مصعبؓ (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی اور حضرت امام حسینؓ کے داماد یعنی حضرت سکینہؓ کے شوہر) مقابلہ پر گئے، جس میں انھیں فتح ہوئی، اور مختار مارا گیا،

ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد عبدالملک اور حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کا مقابلہ شروع ہوا، سب سے پہلے عراق میں حضرت مصعبؓ سے مقابلہ ہوا، حضرت مصعبؓ بڑی بہادری سے لڑے، لیکن عراقیوں کی دغابازی تو جانتے ہی ہو، یہاں بھی وہی حرکت کی، سب کے سب عبدالملک سے مل گئے، اور میدان میں حضرت مصعبؓ کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے، نتیجہ ظاہر ہے، عبدالملک کو فتح ہوئی، اور حضرت مصعبؓ شہید ہو گئے،

اس کے بعد عبدالملک کے حکم سے حجاج بن یوسف مکہ کی طرف روانہ ہوا، اور جاتے ہی شہر کو گھیر لیا، اور پتھر برسانے شروع کئے، چند ہی دن میں شہر کا دانہ پانی ختم ہو گیا، اور لوگ ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑنے لگے، یہ دیکھ کر حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ میدان میں نکلے اور لڑ کر شہید ہوئے،

۷۳ھ میں آپ کی شہادت کے بعد عبدالملک کا کوئی مخالف نہ رہا، اور بارہ برس کے بعد پھر تمام اسلامی ملک ایک بادشاہ کے قبضہ میں آ گئے، عراق سے ہر وقت ڈر رہتا تھا، اس لئے وہاں حجاج کو مقرر کیا گیا، جس نے اپنی سختی سے سب کو خاموش کر دیا۔

خارجیوں سے بھی کئی لڑائیاں ہوئیں، آخر ان کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی،

عبدالملک کا اکثر زمانہ آپس کے ایسے سخت جھگڑوں میں گذرا کہ شروع میں قیصر روم سے دب کر صلح کرنی پڑی، لیکن جب ذرا اطمینان ہوا، اور مسلمان پھر ایک ہوئے اور رومیوں سے سخت جنگ ہوئی اور قیساریہ کے مقام پر انھیں بری طرح شکست ہوئی پورب کی طرف جیحون ندی کے اُس پار ترکستان تک مسلمان پہنچ گئے، افریقہ کا شمالی دائرہ کا،

حصہ پہلے ہی فتح ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی تک بربروں میں دم تھا، جہاں موقع ملتا، مسلمانوں پر حملہ کرتے، عبدالملک کے زمانہ میں انہوں نے بڑا زور باندھا، ملکہ کاہنہ کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ تھوڑے دن کے لئے معلوم ہونے لگا کہ بس اب یہاں سے مسلمانوں کا چل چلاؤ ہے، لیکن حسین بن نعمان، اور موسٰی بن نصیر کی کوشش سے ان کا زور ایسا ٹوٹا کہ پھر اُٹھنے کی سکت نہ رہی، اور بحر ظلمات تک پھر مسلمانوں کا ڈنکا بجنے لگا،

۱۵ شوال (عید) ۸۶ھ کو ۲۱ سال ایک ماہ پندرہ دن کی بادشاہت کے بعد عبدالملک کا انتقال ہو گیا،

(۵)

ولید

باپ کی وصیت کے مطابق ۸۶ھ میں ولید تخت پر بیٹھا، اس وقت جھگڑا فساد کہیں نام کو نہ تھا، سارے ملک میں امن تھا، آپس کے میل و محبت کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت بڑھ گئی، اور انھیں بہت زیادہ کامیابی ہونے لگی، ایک طرف ملک کا انتظام بہت بہتر ہو گیا، جگہ جگہ کنوئیں کھُد گئے، سڑکیں بنیں، محتاج خانے قائم ہوئے، مسجدیں تیار ہوئیں، مدرسے کھلے، شفاخانے جاری ہوئے، یتیم خانے بنے، اندھوں لولوں اور اپاہجوں کے لئے انتظام ہوا، غرض کہ سارا ملک آباد اور خوشحال ہو گیا، دوسری طرف مسلمان سپہ سالاروں نے ساری دنیا الٹ پلٹ ڈالی، محمد بن قاسم نے سندھ پر چڑھائی کی، اور سندھ سے لیکر ملتان تک سارا علاقہ فتح کر لیا، مسلمہ نے رومیوں کے پرخچے اڑا دیئے، قتیبہ نے سمرقند سے کاشغر تک قبضہ کر لیا، اور آگے بڑھ کر شاہ چین کو خراج دینے پر مجبور کر دیا، طارق اور موسیٰ بن نصیر نے افریقہ سے گزر کر اندلس (اسپین) فتح کر لیا، اور وہاں سے شمالی فرانس تک قبضہ کر لیا،

دیکھو اتفاق و اتحاد اور آپس کے میل جول کیسی برکت کی چیز ہے، پندرہ بیس برس پہلے یہی مسلمان تھے جنھوں نے قیصر (شاہِ روم) سے دب کر صلح کی تھی، اور اب جو جھگڑے مٹے اور میل جول بڑھا، تو رومیوں کی کیا حیثیت ہے ساری دنیا کے پرخچے اڑا دیئے،

۹۶ھ میں ولید نے وفات پائی،

(۶)

سلیمان

ولید کے بعد اُس کا بھائی سلیمان تخت پر بیٹھا، یہ بڑا سخی اور رحمدل تھا، اُس نے حجاج کی سختیاں دور کیں اور رعایا کو آرام پہنچانے کی کوشش کی اگر دو تین غلطیاں نہ ہو جاتیں تو ہمیشہ اُس کا نام عزت و محبت سے لیا جاتا۔

اوپر قتیبہ، محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر کا حال پڑھ چکے ہو کہ ان لوگوں کی وجہ سے مسلمانوں کو کتنا فائدہ پہنچا لیکن افسوس سلیمان نے کچھ تو حجاج کی ضد میں کچھ لوگوں کی لگائی بجھائی سے محمد بن قاسم اور قتیبہ کو قتل کرا دیا، اور موسیٰ بن نصیر کو برطرف کر دیا، ایسے بڑے بڑے جنرلوں کے مارے جانے سے فتوحات کا سلسلہ بالکل رُک گیا، قسطنطنیہ پر البتہ حملہ کیا گیا لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی، ۲۰ صفر ۹۹ھ ہجری کو سلیمان کا انتقال ہو گیا،

(۷)

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ

سلیمان کے بعد اُس کی وصیت کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے آپ نے کل ڈھائی برس حکومت کی، لیکن اتنی ہی مدت میں ملک کی کایا پلٹ دی، ہر قسم کی ظلم و زیادتی موقوف ہوگئی، نسل و قوم کا فرق مٹ گیا، اور امیر و غریب ایک درجہ پر آگئے، بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ ستر، پچھتر برس پیچھے لوٹ گیا ہے، اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ حکومت کر رہے ہیں،

اسلام کی رُوح جو بادشاہت کے زور میں مٹ چکی تھی، اب پھر سے زندہ ہوگئی، ہر طرف اللہ و رسول کا ذکر ہونے لگا، اور آخرت جسے لوگ بھول چکے تھے، اب پھر اُس کا دھیان آنے لگا، دنیا تو ہمیشہ دین کے قدموں تلے رہی ہے، یاد کرو عرب کے بدوؤں کے پاس کیا تھا، لیکن اسلام جو آیا تو چند ہی برس میں قیصر و کسریٰ کے تخت اُن کے قدموں کے نیچے آگئے، اور مدینہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے پٹ گیا، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے وقت میں بھی یہی ہوا، دینداری کے بڑھتے ہی ہر قسم کی ترقی کے دروازے کھل گئے اور بلا ظلم و زیادتی کے دولت کے ڈھیر لگ گئے، اگر کہیں دس بیس برس زندہ رہتے، تو خدا معلوم دنیا کہاں سے کہاں پہنچ جاتی، لیکن افسوس کہ ابھی تین برس بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ ۱۰۱ھ میں وفات پاگئے، کہتے ہیں کہ کسی خاندانی دشمن نے زہر دے دیا،

(۸)

یزید بن عبدالملک

بنی اُمیہ بادشاہت کے عادی ہو چکے تھے، اس لئے وہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز سے ناخوش تھے، چنانچہ اُن کے بعد یزید بن عبدالملک تخت پر بیٹھا، تو اُس نے ان کے طریقے کو بالکل بدل دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی پھر رک گئی، اور آرمینیا کے تھوڑے سے علاقہ کی فتح کے سوا باقی آپس ہی میں جھگڑے ہوتے رہے، جس سے سلطنت کو سخت نقصان پہنچا۔

(۹)

ہشام

یزید کے بعد ۱۰۵ھ میں ہشام بادشاہ ہوا، یہ بہت ہی ہوشیار، عقلمند اور بہادر تھا، اس کے زمانہ میں سلطنت کو کافی قوت حاصل ہوئی، افریقہ میں ایک بار پھر بربریوں نے زور کیا، لیکن انھیں سخت شکست ہوئی اور یہ قصہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، سوڈان کے کچھ شہر فتح ہوئے، ترکستان میں سخت معرکہ رہا، رومیوں سے جنگ ہوئی، اور سب میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

ہشام کی حکمت و تدبیر سے سلطنت میں پھر جان آگئی لیکن گھن تو پہلے ہی لگ چکا تھا، بات یہ ہے کہ بنی امیہ بادشاہ تھے اور تم جانتے ہو کہ بادشاہ کسی کی سنتے تو ہیں نہیں بس

اچھا بُرا جو اُن کے جی میں آتا ہے، کرتے رہتے ہیں، لیکن لوگ صحابہ کا زمانہ دیکھ چکے تھے، وہ حضرت ابوبکرؓ کی پرہیزگاری، حضرت عمرؓ کا انصاف، حضرت عثمانؓ کی نیکی اور حضرت علیؓ کی سچائی ڈھونڈتے تھے، لیکن وہ ان بادشاہوں میں کہاں تھی، یہی وجہ ہے کہ جب موقع ملتا کوئی نہ کوئی لڑائی شروع ہو جاتی، یزید اور عبدالملک کے زمانہ کے حالات پڑھ چکے ہو، ہشام کے زمانہ میں بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت زید نے جہاد کیا، اور اگر کوفہ کے لوگ وقت پر ساتھ نہ چھوڑ دیتے تو بنی امیہ کا تختہ الٹ جاتا، لیکن کوفہ والوں کو تم جانتے ہو کہ کیسے دغاباز اور ڈرپوک تھے، مقابلہ پڑا تو ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے، اور حضرت شہید ہو گئے، ۱۲۵ھ میں ہشام کا انتقال ہو گیا،

(۱۰)

ولید دوم

ہشام کے بعد عبدالملک کا پوتا ولید تخت پر بیٹھا، یہ بہت ہی بدمزاج اور آوارہ تھا، ہر وقت شراب پیتا اور بدکاری میں لگا رہتا، اس کی ان حرکتوں سے لوگ عاجز آ گئے اور ۱۲۶ھ میں قتل کر دیا،

(۱۱)

یزید سوم

ولید کے بعد یزید بادشاہ ہوا، اس کے وقت میں بھی آپس میں جھگڑے رہے جس سے بنی امیہ کی قوت ٹوٹ گئی، اور ان کے خلاف کام کرنے والوں کو موقع مل گیا، چھ مہینے کی بادشاہت کے بعد ذی الحجہ (بقر عید) ۱۲۶ھ میں یزید مر گیا،

(۱۷)

مروان دوم

یزید سوم کے بعد لوگ عبد الملک کے پوتے ابراہیم کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے، لیکن عبد الملک کے بھتیجے مروان بن محمد نے ابراہیم کو شکست دی، اور خود بادشاہ بن گیا، اس کی اس حرکت سے بنو امیہ بہت ناخوش ہوئے اور سلیمان بن ہشام ایک بڑی فوج لیکر مقابلہ پر آیا، قنسرین کے قریب بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، سلیمان کو شکست ہوئی اور اس کے تیس ۳۰ ہزار آدمی مارے گئے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اور بیسیوں جھگڑے لگے رہتے تھے، کبھی کوفہ میں لڑائی ہوتی، کبھی فلسطین میں جھگڑا ہوتا، کبھی حجاز میں فساد ہوتا، غرض کہ مرواں کے لئے روز مصیبت رہتی،

ایک طرف تو یہ قصے ہو رہے تھے، دوسری طرف عباسی[1] زور باندھ رہے تھے، اور اور یہ کئی جگہ پڑھ چکے ہو کہ لوگ بنی امیہ کو دل سے پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ نفرت بڑھ گئی، لوگ دل ہی دل میں تدبیریں سوچتے رہتے، اور جب موقع پاتے چڑھ دوڑتے، عباسی مدت سے اندر ہی اندر اپنا کام کر رہے تھے، ان کے آدمی چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے، اور چپکے چپکے لوگوں کو اپنے میں ملا رہے تھے، اتفاق سے انھیں ابو مسلم خراسانی ایک بڑا زبردست آدمی مل گیا، جس نے چند ہی برس میں سارے ملک میں ان کا اثر پھیلا دیا،

---

[1] حضرت عباسؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا تھے، ان کی اولاد عباسی کہلاتی ہے،

تیاری پوری ہو چکی تھی کہ یکایک مروان کو خبر ہوئی اور عباسیوں کے سردار ابراہیم ابن محمد ابن علی بن عبداللہ بن عباسؓ پکڑ کر قید کر دیئے گئے، جہاں ان کا انتقال ہو گیا، لیکن کہیں ان باتوں سے ایسے معاملے ختم ہوتے ہیں، ابراہیم کے بعد اُن کے خاندان کے لوگ بھاگ کر کوفہ پہنچے اور اپنے مددگار ابوسلمہ کے یہاں ٹھہرے، ابو مسلم چاہتا تھا کہ حضرت علیؓ کے خاندان سے کسی کو خلیفہ بنائے، لیکن جب ان میں سے کوئی تیار نہ ہوا، تو ابراہیم کے بھائی ابوالعبّاس سفاح کے ہاتھ پر بیعت ہوئی،

بادشاہ ہوتے ہی سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان کی طرف بھیجا، دجلہ کی شاخ نہر زاب کے کنارے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، مروان بڑی بہادری سے لڑا، لیکن وقت آچکا تھا، سخت شکست ہوئی، مروان جان بچا کر بھاگا، لیکن عباسی فوجیں پیچھے تھیں آخر چھ ماہ کی بھاگ دوڑ کے بعد ۲۷ ذی الحجہ (بقرعید) ۱۳۲ھ کو مروان مصر کے گاؤں بوصیر میں مارا گیا، اور بنی امیہ کی اس بادشاہت کا مشرق کی سرزمین میں خاتمہ ہو گیا،

چوتھا باب

بنی عبّاس

(۱)

ابوالعبّاس سفّاح

مروان کے بعد رہا سہا کھٹکا بھی نکل گیا، اور بادشاہت بالکل سفّاح کے ہاتھ میں آگئی، چونکہ اس کو نئی نئی سلطنت ملی تھی، دشمنوں کا اثر جا بجا موجود تھا، اس لئے اس نے سختی شروع کردی اور اس سختی میں اتنا حد سے بڑھ گیا کہ اس کا نام سفّاح یعنی خونریز پڑ گیا۔

امویوں سے اس کو بڑا کھٹکا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ جب تک اُن میں کچھ بھی دم باقی رہے گا، اُسوقت تک اسکو اطمینان نصیب نہ ہوگا، اس لئے اس نے بہت سے امویوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کرا دیا، اُن کی عداوت میں اموی بادشاہوں کی لاشیں قبروں سے اکھڑوا کر سولی پر چڑھوا دیں، بنی امیہ میں ایک عبدالرحمٰن بچ نکلا، یہ بھاگ کر اندلس پہنچا اور چند ہی دن میں وہاں بھی ایک خاص حکومت قائم کرلی، جو سیکڑوں برس تک قائم رہی۔

سفّاح کے زمانہ میں نئی نئی حکومت قائم ہوئی تھی، اس لئے جگہ جگہ بغاوتیں ہوئیں،

بہت سے گورنر باغی ہو گئے مگر سفاح نے نہایت مستعدی سے سب کو قابو میں کر لیا،

۱۳ ذی الحجہ (بقر عید) سنہ ۱۳۶ھ کو سفاح کی موت ہوئی، یہ ایک طرف بڑا ظالم تھا، دوسری طرف بڑا سخی داتا تھا، دونوں ہاتھوں سے روپیہ لٹاتا تھا.

(۲)

منصور

سفاح کے بعد منصور تخت پر بیٹھا، یہ بڑا بہادر، عقلمند اور سمجھدار اور بڑے رعب و داب کا بادشاہ تھا، اس کو عیش و آرام کے سامانوں سے بڑی نفرت تھی، اور سپاہیوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا، اس کے زمانہ میں کچھ تو بنی اُمیہ کے بچے کھچے لوگوں سے جھگڑے ہوئے، کچھ سیدوں (حضرت فاطمہؓ کی اولاد) سے مقابلے رہے، کچھ خود اپنے سرداروں اور سپہ سالاروں سے لڑائی ہوئی، لیکن منصور نے اپنی ہمت و تدبیر سے سب کو شکست دی.

سب سے پہلے منصور کو اپنے چچا عبداللہ بن علی سے لڑنا پڑا، معاملہ سخت تھا لیکن ابو مسلم خراسانی کی تدبیر سے عبداللہ کو شکست ہوئی، اور پکڑ کر منصور کے سامنے آیا، جہاں قید کر دیا گیا، اور اسی حالت میں (۱۴۷ھ) مر گیا،

ابو مسلم پہلے ہی کچھ کم نہ تھا، لیکن اس فتح کے بعد تو اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اب سلطنت اسی کی مرضی پر چلتی نظر آتی تھی، منصور کوئی بچہ تو تھا نہیں، وہ بھی دنیا دیکھے چکا تھا، فوراً تاڑ گیا، اور کسی طرح اوسے ترکیب سے دربار میں بلا کر قتل کرا دیا، اس کے بعد اطمینان ہو گیا، اور محمد بن نفس ذکیہ کے سوا کوئی خاص لڑائی نہیں ہوئی،

اوپر پڑھ چکے ہو کر بنی امیہ کے خلاف جو کچھ کام کیا گیا، وہ سب بنی فاطمہ (سیدوں) کے

نام سے کیا گیا، امید تھی کہ آگے چل کر یہی لوگ بادشاہ ہوں گے، لیکن جب وقت آیا تو حکومت عباسیوں کے ہاتھ میں چلی گئی، اور سفّاح بادشاہ ہوگیا. لیکن پھر بھی خیال تھا کہ حکومت نہ سہی اس زمانہ میں سیدوں کو آرام تو ضرور ملے گا. لیکن افسوس کہ عبّاسی بنی امیہ سے بھی زیادہ سخت نکلے، پہلے تو کبھی کبھار کچھ ہو جاتا تھا، لیکن اب تو روز ہی گردنیں کٹنے لگیں، مجبوراً بیچاروں کو مقابلہ کے لئے کھڑا ہونا پڑا.

محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ حضرت امام حسنؓ کے پرپوتے تھے، انھوں نے جو عباسیوں کا یہ بڑھتا ہوا ظلم دیکھا تو تاب نہ رہی اور اپنے بھائی ابراہیم کے ساتھ نکل پڑے، محمد (نفس ذکیہ) نے مدینہ کو اپنا صدر مقام بنایا، اور ابراہیم نے بصرہ کو، منصور نے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیجیں پہلے مدینہ میں محمد سے مقابلہ ہوا جس میں انھیں شکست ہوئی، عبّاسی سپہ سالار عیسیٰ نے سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیجا، اس کے بعد بصرہ میں ابراہیم سے مقابلہ ہوا اور وہ بھی شکست کھاکر مارے گئے، اور منصور کو بالکل اطمینان ہوگیا،

آپس کے ان جھگڑوں کو دیکھ کر رومیوں کی ہمت بڑھنے لگی تھی لیکن منصور نے اپنی تدبیر سے انھیں سخت شکست دی، ۱۵۸ھ میں منصور کا انتقال ہوگیا، اگرچہ ساری زندگی لڑائی جھگڑے میں گذری، لیکن مرتے وقت سلطنت کی بنیاد مضبوط ہوچکی تھی، اُس نے پایۂ تخت کے لئے ایک نیا شہر بغداد آباد کیا، جو آگے چل کر مسلمانوں کا سب سے بڑا شہر ہوگیا،

(۳)

مہدی

منصور کے بعد اُس کا بیٹا مہدی بادشاہ ہوا، جھگڑے پہلے ہی ختم ہو چکے تھے، اس لئے اس کے زمانہ میں سکون رہا، رومیوں سے البتہ دو ایک لڑائیاں ہوئیں جن میں مسلمانوں کو فتح ہوئی، ہاں اُس کے زمانہ میں ایک بڑے مزے کا واقعہ ہوا، ایک کانے اور لنگڑے آدمی نے جو مقنع کہلاتا تھا خدائی کا دعویٰ کیا، اپنی کانی آنکھ چھپانے کے لئے اپنے منہ پر ایک سونے کا چہرہ چڑھائے رہتا تھا جیسے کھیل تماشوں میں نقل بھرنے والے چہرے لگاتے ہیں، یہ طرح طرح کے ڈھٹ بندی کے تماشے دکھاتا تھا، اس لئے بہت سے بیوقوف اس کے جال میں پھنس گئے، اور مقنع انکو لیکر مہدی کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا، میاں لنگڑے ہمت تو کر گئے لیکن بادشاہ کا مقابلہ مشکل تھا نتیجہ یہ ہوا کہ شکست کھا کر خودکشی کر لی،

۱۶۹ھ میں مہدی نے وفات پائی،

(۴)

ہادی

مہدی کے بعد اُس کا لڑکا ہادی تخت پر بیٹھا، اُس نے صرف ایک سال کچھ مہینے بادشاہت کی، اس کے وقت میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی، حسین بن علی بن حسن مثلث سے البتہ مقابلہ ہوا جسمیں انھیں شکست ہوئی اور سب لوگ مارے گئے، صرف دو شخص ادریس بن عبداللہ اور یحییٰ بن عبداللہ کسی طرح بچکر نکل گئے، یحییٰ نے دیلم میں جا کر پھر مقابلہ کیا، اور ادریس نے افریقہ میں جا کر نئی سلطنت قائم کر دی،

(۵)

ہارون الرشید

سنہ ۱۷۰ھ میں ہادی کا انتقال ہوا، اور اس کی جگہ ہارون الرشید بادشاہ بنایا گیا، ہارون کا زمانہ بہترین زمانہ تھا، بغداد کی رونق و سجاوٹ کا کیا کہنا، طرح طرح کی عمارتیں، قسم قسم کے باغ عمدہ عمدہ محل، خوبصورت خوبصورت مسجدیں، اچھے اچھے مینار، صاف صاف سڑکیں، بھرے پڑے بازار، دنیا کی کونسی چیز تھی، جو وہاں نہ تھی، مال و دولت روپے پیسے کی وہ افراط تھی کہ کیا کہا جائے، اور بغداد ہی کا ہے کو سارے ملک ہی میں گنج برس رہا تھا، گاؤں گاؤں دیہات دیہات خوشحالی پھیلی تھی، بادشاہ خوش، رعیت راضی، ملک آباد، غرضکہ عجیب خیر و برکت کا زمانہ تھا"

ہارون کے زمانہ میں ویسے تو سکون رہا، خراسان اور قیروان میں البتہ کہیں کہیں کچھ جھگڑے ہوئے تو اُس نے اپنی تدبیر سے دبا دیئے، لیکن ادریس بن عبداللہ (جن کا ذکر اوپر پڑھ چکے ہو) کسی طرح قابو میں نہ آئے اور افریقہ پہنچ کر مراکش کے قریب اپنی ایک الگ ادریسی حکومت قائم کردی، اندلس شروع ہی سے الگ تھا، اب یہ دوسری حکومت بھی بنی عباس سے آزاد ہوگئی،

. . . روم میں ان دنوں ملکہ اپنی حکومت کرتی تھی، اس نے سالانہ خراج کے وعدہ پر ہارون سے صلح کرلی، اس کے بعد نقفور بادشاہ ہوا تو اس نے رقم ادا کرنے سے انکار کردیا، اور ہارون کو لکھا کہ خیریت چاہتے ہو تو وصول کی ہوئی رقم فوراً واپس کردو، ورنہ ہم تلوار سے مزاج درست کردیں گے خط پڑھکر ہارون کے بدن میں آگ لگ گئی، فوراً اپنے قلم سے لکھا اس کا جواب سن کر کیا کروگے آنکھوں

سے دیکھ لینا" اس کے بعد فوراً فوج لے کر روانہ ہوگیا، اور ہرقلہ پہونچ کر آناً فاناً شہر کو فتح کر ڈالا، نقفور میں اتنا دم کہاں تھا کر جم کر لڑتا، ۱۱ ہی چار حملوں میں ہوش اڑ گئے اور سالانہ خراج کے اقرار پر صلح کرلی، اس کے بعد ہارون واپس ہوا، لیکن ابھی شاہی فوجیں راستہ ہی میں تھیں کہ نقفور نے عہد توڑ ڈالا، ہارون نے سُنا تو آگ بگولا ہوگیا، فوراً فوجیں لے کر پلٹا، اب کی نقفور کے مزاج درست ہوگئے، اور خراج دیتے ہی بنی۔

برامکہ

برامکہ کا نام تو شاید تم نے سنا ہوگا، برمک ایک ایرانی سردار تھا، اُس کا بیٹا خالد مسلمان ہوگیا، بنی امیہ کے زمانہ میں جب خراسان میں عباسیوں کے لئے کام کیا گیا تو یہ بھی اس میں شامل ہوگیا، جب حکومت بنی عباس کو ملی تو سفاح نے اسے اپنا وزیر بنایا، منصور کے زمانہ میں بھی کچھ دن اسی عہدہ پر رہا، پھر بعد میں موصل کا گورنر ہوگیا،

یحیٰی برمکی اسی خالد کا بیٹا تھا، مہدی نے اسے ہارون کا اتالیق (استاد) مقرر کیا، اور اُس وقت سے برابر ساتھ رہا، جب ہارون بادشاہ ہوا، تو برمکیوں کی عزت بہت بڑھ گئی، رفتہ رفتہ وہ ساری سلطنت پر چھا گئے، اور یہ معلوم ہونے لگا کہ حکومت کی اصلی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں ہے، ہارون نے یہ رنگ دیکھا تو ڈرا کہ بس اب چند ہی دن میں بادشاہت ان برمکیوں کی ہوجانے والی ہے، یہ خیال کچھ ایسا جما کہ اس نے یحیٰی اور اس کے تین بیٹوں فضل، محمد اور موسیٰ کو قید کر دیا، اور چوتھے جعفر کو قتل کرا دیا، اس طرح یہ مشہور خاندان ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا،

۲۳ برس کی سلطنت کے بعد ۱۹۳ھ میں ہارون نے وفات پائی، یہ بڑا دیندار اور مذہب کا پکا تھا، فرض کے علاوہ روزانہ سو رکعت نفل پڑھتا تھا، خیرخیرات کی کوئی حد

نہ تھی، حج اور جہاد کا بڑا شوق تھا، شاید ہی کوئی ایسا سال گذرا ہو جو حج یا جہاد سے خالی گیا ہو، مزاج میں نرمی بہت تھی، ذرا سی نصیحت کی بات سنتا تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے، ایک بار مشہور عالم ابن سماک دربار میں بیٹھے ہوئے تھے، ہارون کو پیاس لگی، نوکر پانی لایا، لیکن جیسے ہی منھ لگانا چاہا، ابن سماک نے روک کر پوچھا، سچ سچ بتائیے، اگر یہ پانی آپ کو نہ ملے تو آپ اس کے لئے کہاں تک خرچ کر سکتے ہیں، ہارون نے کہا سارا ملک جب پانی پی چکا، تو پھر ابن سماک نے پوچھا کہ اگر یہ پانی بدن میں رک جائے اور کسی طرح نہ نکل سکے تو علاج پر آپ کتنا خرچ کر سکتے ہیں، ہارون نے کہا پوری سلطنت، یہ سُن کر ابن سماک نے فرمایا کہ جس بادشاہت کی قیمت ایک گلاس پانی سے بھی کم ہو وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے لئے خون کا ایک قطرہ بھی بہایا جائے، یہ سُن کر ہارون اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔

۶

امین

ہارون نے اپنے بعد امین اور اس کے بعد مامون کو مقرر کیا تھا، اور ملک کے حصے کرکے حکومت دونوں میں تقسیم کردی تھی، اور وصیت نامہ لکھ کر خانۂ کعبہ میں رکھوا دیا تھا، تاکہ بعد کو کوئی جھگڑا بکھیڑا نہ ہو، لیکن کچھ امین کے مزاج کی کمزوری، اور کچھ اس کے وزیر فضل بن ربیع کی شرارت، دونوں بھائیوں میں بنبھ نہ سکی ،

مامون نے اپنی طرف سے بہتیری کوشش کی کہ جھگڑا فساد نہ ہو لیکن فضل کب مان سکتا تھا، اُس نے ایک نیا شوشہ نکالا، امین سے کہہ سن کر مامون کی جگہ امین کے بیٹے موسیٰ کو ولیعہد مقرر کرا دیا، اور کعبہ شریف سے ساری دستاویزیں منگا کر پھاڑ ڈالیں، پھر لطف یہ کہ مامون کو بیعت کے لئے لکھا۔

اب معاملہ ضبط سے باہر ہو چکا تھا، مامون کو بیحد غصہ آیا، اور اُس نے اپنے وزیر فضل ابن سہل کی صلاح سے جنگ کی تیاری شروع کردی، اور طاہر بن حسین کی ماتحتی میں ایک لشکر روانہ کردیا، اُدھر فضل بن ربیع نے علی بن عیسیٰ کو پچاس ہزار فوج دے کر بھیجا، رے کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا جس میں علی بن عیسیٰ مارا گیا، طاہر نے دربار میں کامیابی کی اطلاع دی، فضل بن سہل نے مامون کو یہ خبر سنائی اور باقاعدہ خلافت کا سلام کیا،

اس کے بغدادی فوجوں سے اور کئی معرکے ہوئے، لیکن سب میں طاہر کو فتح ہوئی،

آخر مامون کے حکم سے ایک طرف سے طاہر اور دوسری طرف سے ہرثمہ نے بڑھ کر بغداد کو گھیر لیا، اب امین بالکل عاجز تھا، لیکن کرتا کیا، طاہر سے تو کوئی امید تھی ہی نہیں اس لئے ہرثمہ کی پناہ میں آنا چاہا، ہرثمہ بھی اس کے لئے تیار تھا لیکن طاہر کے آدمیوں نے راستہ ہی میں گرفتار کر لیا، اور اس کے حکم سے قتل کر دیا، یہ واقعہ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ میں پیش آیا،

(۷)

مامون

امین کے قتل کے بعد سارا ملک مامون کے قبضہ میں آگیا، اوپر پڑھ چکے ہو کہ مامون کا سب سے بڑا مددگار فضل بن سہل تھا، یہ ایک ایرانی نسل کا آدمی تھا، اس لئے اس کامیابی کے بعد ایرانیوں اور خراسانیوں کا اثر بہت بڑھ گیا، یہاں تک کہ بغداد کے بجائے مامون مرو (خراسان کے ایک شہر) ہی میں رہنے لگا، عربوں کو یہ بات ناگوار ہوئی اور سارے ملک میں ایک ہلچل مچ گئی، یحیی برمکی کی صحبت سے مامون پہلے ہی علویوں کا مخالف نہ تھا، فضل بن سہل نے اس اثر کو اور بڑھا دیا، اور وہ کھلم کھلا علویوں کی طرف داری کرنے لگا، یہاں تک کہ سیاہ عباسی رنگ کے بجائے سبز علوی کپڑے پہننے شروع کئے، امام علی رضا کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہ دی اور انھیں اپنا ولیعہد مقرر کر دیا، عباسی یہ رنگ دیکھ کر بھڑکے اور سمجھے کہ اب سلطنت ہاتھ سے گئی، انھوں نے مامون کے چچا ابراہیم کو بادشاہ بنا دیا،

ابھی امین کی جنگ کا اثر مٹا نہ تھا کہ یہ اور گڑبڑ مچی، نتیجہ یہ ہوا کہ سارے ملک میں افراتفری شروع ہو گئی، اور جگہ جگہ فساد ہونے لگے، ادھر تو سارے ملک میں یہ آفت مچی ہوئی تھی، اور ادھر مامون کو کانوں کان خبر نہ تھی، فضل نے اپنی بدنامی کے خیال سے اب تک

سب کچھ چھپا رکھا تھا، اگر کچھ دن اور یہی حالت رہتی تو مامون کا قصہ ختم تھا، لیکن امام علی رضا نے ہمت کر کے سب کچھ کہہ سنایا، مامون پہلے تو بہت چکرایا، لیکن جب اور سرداروں سے بھی یہی معلوم ہوا تو آنکھیں کھل گئیں،

اب مامون فوراً بغداد کی طرف روانہ ہوا، اتفاق ایسا کہ راستہ میں امام علی رضا، اور فضل بن سہل کی وفات ہوگئی، اب مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی، بغداد پہنچتے پہنچتے سارے جھگڑے ختم ہوگئے، اور مامون نے نئے سرے سے حکومت پائی، اس کے بعد پھر ملک میں امن رہا،

۲۱۸ھ میں مامون نے وفات پائی، یہ بڑا زبردست عالم، اور عالموں کا بڑا قدردان تھا، اس نے علم کو پھیلانے میں بڑی کوشش کی، علم پھیلانے کے لئے بڑے بڑے علما نوکر رکھے، کتبخانے اور مدرسے قائم کئے، طالب علموں کے وظیفے مقرر کئے، علم پھیلانے میں ہزاروں روپیہ صرف کرتا تھا، اس کی کوشش سے بغداد میں ہر طرف عالموں کا مجمع ہوگیا، ہر جگہ علم ہی کا چرچا سنائی دینے لگا، اور بغداد ساری دنیا کا استاد بن گیا مگر اس کے زمانہ میں ایک بڑی خرابی یہ ہوئی کہ ساری حکومت ایرانیوں کے ہاتھ میں آگئی،

- - - - - - - - - ◆ - - - - - - - - -

حکومتِ زیادیہ، اغالبہ اور طاہریہ

ہارون کے حالات میں افریقہ کی ادریسی حکومت کا بیان پڑھ چکے ہو، مامون کے زمانہ میں افریقہ، یمن، اور خراسان میں اغالبہ، زیادیہ اور طاہریہ، تین اور نئی حکومتیں قائم ہو گئیں، یہ اپنے معاملات میں پوری آزاد تھیں، صرف عباسیون کو کسی قدر رقم خراج کے طور پر دیتی تھین، اور سکہ اور خطبہ میں اُن کا نام رکھتی تھیں،

(۸)

معتصم

مامون کے بعد اُس کا بھائی معتصم تخت پر بیٹھا، یہ اگرچہ پڑھا لکھا بالکل نہ تھا، لیکن بڑا بہادر اور نہایت ہی منتظم تھا، اس کے وقت میں ملک کے اندر خاصہ امن رہا، رومیون سے البتہ بڑی بڑی لڑائیان ہوئیں، جن میں مسلمانون کو فتح ہوئی،

ان دنون رومی اپنی حد سے بہت بڑھ گئے، اور مسلمان شہروں پر حملہ کر کے مسلمانون کو پکڑ پکڑ کر ان کی آنکھون میں نیل کی سلائی پھیرتے، اور خدا معلوم کیا کیا تکلیفیں پہنچاتے، ایک مرتبہ ایک شہر پر حملہ کر کے مسلمان عورتون کو پکڑ لے گئے، ان میں معتصم کے خاندان کی بھی ایک عورت تھی، یہ چِلائی، معتصم مدد کے لئے دوڑو، معتصم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسکو بڑا صدمہ ہوا، اور ایک بہت بڑی فوج لے کر رومیون پر چڑھ گیا، اور اچھی طرح سے اُن کی

مرمّت کر کے درست کر دیا،

آگے بڑھ چکے ہو کہ عبّاسی حکومت پر شروع ہی سے ایرانی اثر چھایا ہوا تھا، مامون کے وقت میں یہ اثر اور بڑھا، اور تقریباً سارے عہدے عربوں سے نکل کر ایرانیوں کے ہاتھ میں آ گئے، معتصم نے اس اثر کو مٹانے کے لئے ترکوں کو آگے بڑھانا شروع کیا، لیکن یہ اُس سے بھی بڑی غلطی تھی، عرب پہلے ہی الگ ہو چکے تھے، ایرانی اب ہٹے، نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت بالکل ترکوں کے ساتھ میں آ گئی، اور ان کے لئے اس نے ایک نیا شہر سامرا بسایا، یہی پایۂ تخت بھی ہو گیا،

اخیر میں معتصم کو خود افسوس ہوا، لیکن معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا، اب کیا کر سکتا تھا، ترکوں کا اثر بڑھتا ہی رہا، اور آگے چل کر عباسی بادشاہ ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو کر رہ گئے[1]۔

۲۲۷ھ میں معتصم کا انتقال ہو گیا، متوکل اتنا طاقتور اور بہادر تھا کہ روپیہ کا نقش انگلیوں سے مل کر مٹا دیتا تھا، اور بوجھ لانے والے جانوروں کو بوجھ سمیت اٹھا لیتا تھا،

---

[1] عباسیوں کے سلسلہ میں ترکوں کا نام بار بار آئے گا، اس سے ترکی کے لوگ مراد نہیں ہیں، یہ اور لوگ تھے، جنھیں عباسیوں نے فوجی خدمت سپرد کی تھی،

(۹)

واثق

معتصم کے بعد اُس کا بیٹا واثق تخت پر بیٹھا، اور چھ برس کے قریب حکومت کرنے کے بعد ۲۳۲ھ میں وفات پائی۔

اوپر پڑھ چکے ہو کہ عرب قریب قریب حکومت سے بے دخل ہو گئے تھے، اس کا انھیں بہت ملال تھا، اس عقدہ میں عربوں نے بغاوت کی، لیکن معتصم نے ختم کر دیا، اس کے زمانہ میں ترکوں کا اثر پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا،

(۱۰)

متوکل ۲۳۲-۲۴۷ھ

واثق کے بعد امیروں اور سرداروں نے مل کر متوکل کو بادشاہ بنایا، یہ ویسے تو پرانی چال کا آدمی تھا، اور اُدھر اُدھر کی بے کار باتوں کو ناپسند کرتا تھا، لیکن علویوں (حضرت علیؓ کی اولاد) سے اسے سخت دشمنی تھی، اس معاملہ میں اس کی عداوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ علویوں سے دوستی رکھنے پر بھی سزا دیتا تھا، اور صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے ساتھ نہیں بلکہ سیکڑوں برس پہلے کے بزرگوں کے ساتھ بھی اُس کا یہی برتاؤ تھا، انتہا یہ کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر تک کھودنے کا حکم دے دیا، اس کو یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی بڑی نفرت تھی، اُن کو

خاص قسم کا لباس پہننے کا حکم دیا، اور مسلمانوں سے بالکل الگ کردیا،

اس کے زمانہ میں بھی رومیوں سے لڑائیاں ہوئیں لیکن دونوں کا پلہ برابر رہا،
ترکوں کا اثر اس کے زمانہ میں بہت بڑھ گیا، اور وہ ایسے چھا گئے کہ خود خلیفہ تک کی
جان عذاب میں آگئی، متوکل نے بہتیری کوشش کی کہ اس مصیبت سے چھٹکارا ہو ایک
آدھ ترک سردار کو قتل بھی کرایا، لیکن ان کا کچھ نہ ہوسکا، اور الٹے خود ہی مارا گیا، عجیب
بات یہ کہ خود اس کا بیٹا منتصر اس میں شریک تھا،

مامون کے زمانہ سے مسلمان فلسفی ہو گئے تھے، متوکل بڑا پکا مسلمان تھا،
اُس نے پھر مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی طرف لگایا مگر مزاج میں شدت تھی۔

(۱۱)

منتصر سنہ ۲۴۷-۲۴۸ھ

متوکل کو قتل کرنے کے بعد ترکوں نے منتصر کو تخت پر بٹھایا لیکن ایک دن
بھی چین نصیب نہ ہوا، باپ کے قتل کی کڑھن، ترکوں کا دھڑکا ہر وقت جان گھلائے ڈالتا تھا
آخر چھ مہینے میں گھٹ گھٹ کر ختم ہوگیا۔

(۱۲) مستعین ۲۴۸-۲۵۲ھ

(۱۳) معتز ۲۵۲-۲۵۵ھ

(۱۴) مہتدی ۲۵۵-۲۵۶ھ

متوکل کے قتل کے بعد گویا ترک ہی بادشاہ ہو گئے تھے، اور خلیفہ اُن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو کر رہ گئے تھے، جس سے خوش ہوتے تخت پر بٹھاتے، جب ناراض ہوتے قتل کر ڈالتے اور کسی دوسرے کو بادشاہ بنا دیتے، آٹھ برس میں مستعین، معتز، مہتدی تین خلیفہ ہوئے، اور مارے گئے، اس افراتفری میں ملک کی حالت تباہ ہو گئی، سرحد پر رومیوں کی زیادتیاں بڑھ گئیں، اور جس کا جہاں زور چلا ملک دبا بیٹھا، مستعین کے زمانہ (سنہ ۲۵۰ھ) میں طبرستان و دیلم میں حکومتِ زیادیہ قائم ہوئی، معتز کے زمانہ میں سجستان میں حکومتِ صفاریہ (۲۵۳ھ) اور مصر میں حکومت طولونیہ (سنہ ۲۵۴ سنہ ۲۷۰ھ) قائم ہوئی، صفاریہ کی ابتدا یعقوب ابن لیث نے کی، اور طولونیہ احمد بن طولون کے ہاتھوں شروع ہوئی، یہ حکومتیں پورے طور سے آزاد تھیں، صرف نام کو خلیفہ کا اثر تھا،

(۱۵)

معتمد
سنہ ۲۵۶-۲۷۹ھ

سنہ ۲۵۶ھ میں معتمد تخت پر بیٹھا، پچھلے دس برس میں عباسیوں کی کمزوری سے سلطنت پورے طور سے ترکوں کے ہاتھ میں آ گئی تھی حکومت کا آنا تھا کہ خود ان لوگوں میں جھگڑے شروع ہو گئے، جن سے عاجز ہو کر انھوں نے معتمد سے درخواست کی کہ اپنے بھائی کو فوج کا سردار بنائے' ان کی درخواست قبول ہوئی اور موفق سپہ سالار مقرر ہو گیا،

اب ترکوں کا زور ٹوٹ گیا، لیکن خود موفق سلطنت پر چھا گیا، اور معتمد کا صرف نام باقی رہ گیا، سلطنت کی اس گڑبڑ کو دیکھ کر ماوراء النہر کے گورنر نصر بن احمد نے سنہ ۲۶۱ھ میں ماوراء النہر میں سامانی سلطنت قائم کر دی، جو سنہ ۳۸۹ھ تک باقی رہی، جو ملک بچا ہوا تھا، اس میں طرح طرح کی آفتیں مچی ہوئی تھیں' کچھ دنوں حبشیوں نے بڑی اودھم مچائی، قریب قریب سارے عراق پر قبضہ کر لیا، اور لوگوں پر وہ مظالم کئے کہ توبہ بھلی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عباسی حکومت ختم کر دیں گے' معتمد نے کئی فوجیں ان کے مقابلہ میں بھیجیں' مگر حبشیوں نے سب کو شکست دی' موفق نے جب دیکھا کہ یہ وحشی سارا ملک ویران کر دیں گے، تو خود ان کے مقابلہ کے لئے نکلا، اور کئی برسوں کی لڑائی کے بعد ان ظالموں کا خاتمہ کیا،

حبشیوں کے علاوہ اسماعیلی، باطنی، اور قرمطی کئی اور فرقے پیدا ہوئے،

جو آگے چل کر مسلمانوں کے لئے بڑی مصیبت بن گئے، اس ابتری کی وجہ سے رومیوں کو موقع مل گیا، اور مسلمان اُن کے ہاتھوں بہت تنگ ہوئے، اب خلافت کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ ناچ گانا، شراب، کباب، تمام بُری چیزوں کا رواج ہوگیا، ایک دن معتمد نے شراب زیادہ پی لی، پھر اُس پر کھانا کھایا، اس سے تخمہ ہوگیا، اور مر گیا،

(۱۶)

معتضد
۲۷۹-۲۸۹ھ

معتمد کے بعد اس کا بھتیجا معتضد تخت پر بیٹھا، یہ بڑے رعب وداب کا بادشاہ تھا۔ اُس نے سلطنت کی حالت بہت کچھ درست کردی جس سے پھر ملک میں رونق آگئی، لیکن قرامطہ کی مصیبت ایسی سخت تھی کہ ساری محنت پر پانی پھر اجاتا تھا، ابھی یہ جھگڑا ختم نہ ہوا تھا، کہ فاطمیون کا قصہ اُٹھ کھڑا ہوا، جو اتنا بڑھا کہ آگے چل کر انھوں نے ایک نئی سلطنت ہی قائم کرلی، اُن کی ابتدا، قیروان سے ہوئی، لیکن بعد میں بڑھتے بڑھتے مصروشام پر قبضہ ہوگیا، سنہ ۵ھ میں ایوبیون کے ہاتھون اُن کا خاتمہ ہوا، مصر کا پایۂ تخت شہر قاہرہ ان ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔

مصر کی طولونی حکومت سے البتہ تعلقات اچھے تھے، ان دنوں خمارویہ وہاں کا بادشاہ تھا۔ اس سے معتضد سے اتنے اچھے تعلقات تھے کہ اس نے اپنی بیٹی قطرالندی خلیفہ کے نکاح میں دیدی،

اس زمانہ میں ایک اور خاص بات ہوئی، یاد ہوگا، کہ معتصم نے ترکون کے اثر کی وجہ سے سامرا کو پایۂ تخت بنایا تھا، لیکن اب ترک ختم ہوچکے تھے، اس لئے معتضد نے پھر بغداد میں رہنا شروع کیا، ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۲۸۹ھ کو معتضد کی وفات ہوئی، اُس نے ملک میں وقار قائم کرنے کے علاوہ بہت سی اصلاحیں کین،

(۱۷)

مکتفی سنہ ۲۸۹-۲۹۵

معتضد کے بعد اس کا بیٹا مکتفی تخت پر بیٹھا، اُس کے زمانہ میں حکام کی خودغرضی کی وجہ سے پھر عباسی حکومت کمزور ہو گئی، اور قرامطہ کا زور اتنا بڑھ گیا کہ لوگوں کا نکلنا بیٹھنا دشوار ہو گیا، دن دھاڑے ڈاکے پڑنے لگے، قافلے کے قافلے لٹ جاتے، جانون کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا، لوگون کا گھرون سے نکلنا مشکل ہو گیا، مکتفی نے بڑی مستعدی سے ان کا مقابلہ کیا، آخر مدت کی دوڑ دھوپ کے بعد بڑے بڑے قرمطی سردار مارے گئے، جس سے ان کا زور کم ہو گیا، لیکن تھوڑی جان پھر بھی باقی رہی، جس نے آگے چل کر بڑا زور باندھا،

مصر کی طولونی حکومت کا حال اوپر پڑھ چکے ہو، مکتفی کے زمانہ مین وہ بالکل ختم ہو گئی اور سارا مصر پھر عباسیون کے قبضہ میں آگیا، اسی زمانہ میں افریقہ کی اغلبی سلطنت بھی ختم ہو گئی اور اس پر فاطمیون کا قبضہ ہو گیا،

۲۹۵ سنہ میں مکتفی کا انتقال ہو گیا،

(۱۷)

مقتدر
۲۹۵-۳۲۰ھ

مکتفی کے بعد اس کا بھائی مقتدر بادشاہ ہوا، اور کوئی پچیس[۲۵] برس حکومت کی اس میں خود کوئی قابلیت نہ تھی، انتظام میں عورتوں کو بڑا دخل تھا، اس وجہ سے بڑی افراتفری پیدا ہوگئی، ملک کی ساری آمدنی پر وزیروں اور بڑے بڑے عہدہ داروں نے قبضہ کر لیا یہ غریب رعایا کا خون چوس کر اپنا گھر بھرتے تھے، اور جو لوگ اپنا سر کٹاتے تھے، ان کو کچھ نہ ملتا تھا، اس لئے سب نے مل کر مقتدر سے ہوم رول مانگا، جیسے آج سے پہلے ہم لوگ انگریز گورنمنٹ سے مانگتے تھے، لیکن وہ عورتوں کے ہاتھوں میں ایسا پھنسا تھا، کہ سنا ہی نہیں، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فوجوں نے بغاوت کر کے اس کو معزول کر دیا، اور قاہر کو خلیفہ بنا دیا لیکن ابھی تھوڑے دن مقتدر کی قسمت میں اور حکومت کرنی تھی، اس لئے پھر اس کو بادشاہ بنا دیا، مگر وہ زیادہ دنوں تک بادشاہ نہ رہ سکا، اور ایک بڑے مخالف امیر یونس نے سنہ ۳۲۰ھ میں قتل کر ڈالا،

اس کے زمانہ میں قرامطہ کا زور اتنا بڑھ گیا کہ مکہ تک کو نہ چھوڑا حج کے زمانہ میں مکہ پہنچ گئے، اور اس کو خوب لوٹا، حاجیوں کو مار مار کر ان کی لاشیں زمزم میں ڈال دیں غلافِ کعبہ پھاڑ ڈالا، حجرِ اسود اٹھا کر لے گئے، غرض کوئی ظلم ایسا نہ تھا، جو انھوں نے مکہ والوں پر نہ ڈھایا ہو،

رومیوں نے بھی بڑے ہاتھ پیر نکالے لیکن جوں توں کسی طرح انھیں بڑی مشکلوں سے روکا گیا،

(۱۹) (۲۰)

قاہر ۳۲۰-۳۲۲ھ راضی ۳۲۲-۳۲۹ھ

مقتدر کے قتل کے بعد قاہر تخت پر بیٹھایا گیا، لیکن تھوڑے ہی دنوں میں آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر دی گئی، اور اس کی جگہ راضی بادشاہ بنایا گیا، اس نے کوئی دس برس بادشاہت کی، یہ قابل اور سمجھدار تھا لیکن سلطنت ایسی کمزور ہو چکی تھی کہ کسی طرح حالت درست نہ ہو سکی، اُس نے امیر الامُرائی کا ایک نیا عہدہ قائم کیا، جس سے آگے چل کر رہی سہی شان اور بھی جاتی رہی،

قرامطہ کی مصیبت ایسی سخت تھی کہ لوگ حج کے لئے بھی نہیں نکل سکتے تھے، یہ تو سب تھا ہی خاص شہر بغداد میں مذہبی جھگڑے شروع ہو گئے، اس کی وجہ یہ ہوئی، کہ اُس زمانہ میں واجد علی شاہی لکھنؤ کی طرح سارے بغداد میں پھیل گئی تھی، بغداد والے رنگ رلیون مین لگ گئے تھے، ناچ، گانا، شراب کباب مین مست رہتے تھے، یہ حالت دیکھ کر حنبلی (امام احمد ابن حنبل کے ماننے والے) اُٹھے اور ان باتون کو مٹانا شروع کیا، جہان گانے والے نظر آتے ان کو پیٹتے، شرابی دکھائی دیتا، اسے مارتے، شراب کی دوکانون میں گھس کر شراب کے برتن توڑ ڈالتے، ان باتون سے بغداد والے تنگ ہو گئے، راضی نے بڑی مشکلوں سے اس کو روکا۔

مصر جو مکتفی کے زمانہ میں قبضہ میں آیا تھا، پھر ہاتھ سے نکل گیا، اور اس پر طولونیوں کے

غلام اخشیدی خاندان کا قبضہ ہوگیا، ان کے علاوہ بنی بویہ کی ایک نئی حکومت شروع ہوئی جو بڑھتے بڑھتے بغداد تک پہنچ گئی آگے چل کر خلیفہ پر چھاگئی، ۳۲۹ ھ میں راضی کی وفات ہوئی۔

راضی بڑا نیک اور علم دوست خلیفہ تھا، شعر بہت اچھے کہتا تھا، خلیفہ کے اختیارات اگرچہ اس سے بہت پہلے ختم ہو چکے تھے، لیکن راضی کے زمانہ تک ظاہری ٹھاٹھ باٹھ قائم تھا، اور دربار میں بادشاہی کی شان نظر آتی تھی، لیکن راضی کے مرتے ہی یہ بھی ختم ہوگئی، سارا شان وشکوہ امیر الامراء نے چھین لیا، اور خلیفہ محض وظیفہ خوار رہ گئے،

(۲۱-۲۲)

متقی سنہ ۳۲۹-۳۳۳ مستکفی سنہ ۳۳۳-۳۳۴ھ

راضی کے بعد متقی اور اس کے بعد مستکفی بادشاہ ہوئے، لیکن دونوں تھوڑے دنوں کے بعد تخت سے اتار دیئے گئے، اب خلیفہ کا نام ہی نام باقی تھا، ورنہ اصل میں حکومت پورے طور پر سے بنی بُویہ کے ہاتھ میں تھی، یہ جب جسے چاہتے تخت پر بٹھا دیتے، اور جب چاہتے اتار دیتے، خلیفہ کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی، عباسیوں کی کمزوری سے ملک میں جگہ جگہ نئی حکومتیں قائم ہوگئی تھیں، اس وقت اگلی پچھلی گیارہ بادشاہتیں موجود تھیں،

(۱) اندلس میں بنی امیہ کی سلطنت قائم تھی، عبدالرحمٰن الناصر بادشاہ تھا،

(۲) افریقہ میں ادریسی اور اغلبی حکومتوں کی جگہ فاطمی سلطنت قائم ہوگئی تھی، یہ لوگ اپنے کو خلیفہ کہتے تھے، اس وقت اسمٰعیل منصور اُن کا خلیفہ تھا۔

(۳) مصر میں اخشیدی حکومت کر رہے تھے، جو برائے نام عباسیوں کو مانتے تھے، ابو جور ابن محمد اخشید اس خاندان کا حاکم تھا۔

(۴) حلب میں حمدانیوں کی بادشاہت تھی، ان کا امیر سیف الدولہ تھا، یہاں بھی عباسیوں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا،

(۵) جزیرۂ فراتیہ میں ناصر حمدانی بادشاہ تھا، یہ بھی عباسیوں کا خطبہ پڑھتا تھا،

(۶) عراق بنی بویہ کے قبضہ میں تھا، یہاں پہلے عباسی خلیفہ، پھر اس کے ساتھ معز الدولہ کا نام لیا جاتا تھا،

(۷) عمان، بحرین، یمامہ اور بصرہ مین قرامطہ کا زور تھا جو فاطمی امام کا خطبہ پڑھتے تھے،

(۸) فارس اور اہواز میں عباسی خلیفہ اور اس کے بعد علی بن بُویہ عماد الدولہ کا ذکر ہوتا تھا، جو امیر الامرا بھی کہلاتا تھا،

(۹) بلاد جبل اور رے میں خلیفہ اور رکن الدین حسن بن بُویہ کا نام لیا جاتا تھا،

(۱۰) جرجان اور طبرستان میں سامانیون اور دشمگیر کے جھگڑے تھے۔

(۱۱) خراسان اور ماوراء النہر جس کا صدر مقام بخارا تھا، سامانیوں کے ماتحت تھا، یہاں عباسیوں کا خطبہ[1] پڑھا جاتا تھا،

یہ تمام بڑی بڑی سلطنتیں جو پہلے ایک ہی بادشاہ کے ماتحت تھیں، اب الگ الگ ہو گئی تھیں، اور آپس ہی میں لڑتی بھڑتی رہتی تھیں؛ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ عرب جو کبھی سیاہ و سفید کے مالک تھے عباسیون کی غلطی سے اب حکومت سے بالکل الگ ہو چکے تھے، اور حمدانیون کو چھوڑ کر کہین بھی اُن کی بادشاہت نہ تھی، حمدانیوں کی بھی حالت یہ تھی کہ وہ بنی بُویہ کے تحت تھے،

---

[1] خطبہ پڑھنے سے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ظاہراً عباسیون کا ادب کرتے تھے، اور نام چار کو زمانہ ان کے ماتحت تھے،

۲۲

مطیع ۳۳۴-۳۶۳

مستکفی کے بعد اُس کا چچازاد بھائی مطیع تخت پر بیٹھا، سلطنت پہلے ہی بنی بُویہ کے قبضہ میں تھی
اب وزارت کا عہدہ بھی ٹوٹ گیا، اور خلیفہ کے پاس صرف میر منشی رہنے لگا" ادھر طاقت بڑھتے
ہی خود بنی بویہ آپس میں جھگڑنے لگے، جس سے اور بھی حالت خراب ہو گئی۔

یہ عجیب پریشانی کا زمانہ تھا، جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں، اور آپس ہی میں
لڑ رہی تھیں اوپر گیارہ حکومتوں کا ذکر پڑھ چکے ہو مطیع کے زمانہ میں واسط و بصرہ کے درمیان
ابن شاہین نے ایک اور ریاست قائم کر دی، (سنہ ۳۳۹ھ) مصر میں کافور اخشیدی کا انتقال
ہو گیا، فاطمی مدت سے تاک میں تھی، معز الدین نے فوراً اپنے سپہ سالار جوہر کو روانہ کیا جس نے وہاں پہنچکر فاطمیون
کا جھنڈا گاڑ دیا، اس افراتفری سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا، دشمنوں کے دل سے اسلام کا رعب جاتا رہا اور انکی ہوا اکھڑ گئی
رومی جن کے چند ہزار بدوؤں نے پرخچے اڑا دیئے تھے جنھیں امویوں نے قدم قدم پر شکست دی تھی، جن کے قیصر کو
ہارون رومی کتا کہہ کر ڈانٹتا تھا، جن کی عزت یہ تھی کہ ایک لونڈی کی فریاد پر معتصم فوجیں لے کر بڑھتا تھا اور
دم کے دم میں عموریہ کو تہس نہس کر ڈالتا تھا، اور شہروں کی خاک اڑا دیتا تھا، یا آج آپس کے
جھگڑوں کا اثر یہ ہوا کہ وہی رومی اتنے شیر ہو گئے کہ دن دھاڑے مسلمان ملکوں میں گھس آئے اور خون کے
دریا بہا دیتے، عورتوں کی پریشانی، بچوں کی بلبلاہٹ، بوڑھوں کی چیخ اور مریضوں کی آہ سے آسمان
ہل جاتا، زمین کانپ اٹھتی، لیکن فریاد کو کون پہنچتا، مسلمان تو خود آپس ہی میں الجھ رہے تھے انھیں اسکا
خیال کیسے ہوتا، مجبور ہو کر علما نے خود مقابلہ کا سامان کیا، لیکن بنی بویہ نے آگے نہ بڑھنے دیا اور درمیان ہی میں آ کر خاتمہ کر دیا،

(۲۴-۲۵)

طائع ۳۶۳-۳۸۱ھ قادر ۳۸۱-۴۲۲ھ

مطیع کے بعد طائع اور پھر اس کے بعد قادر تخت پر بیٹھا، اُن کے زمانہ میں حالت اور خراب ہوگئی، قادر خود طبیعت کا اچھا تھا لیکن سلطنت کی جو حالت ہو چکی تھی، اُس کا سنبھالنا اس کے بس سے باہر تھا،

..یمن کی زیادیہ حکومت کا ذکر آچکا ہے، ۴۱۳ھ میں بنی امیہ کے غلام مؤید نجاح نے بادشاہت پر قبضہ کرلیا، یہ سلطنت ۵۵۴ھ تک قائم رہی، اس کے بعد مہدوی حکومت قائم ہوئی، موصل میں حمدانیوں کے بعد عقیلی حکومت قائم ہوئی، (۳۸۶-۴۸۹ھ)

۳۸۰ھ میں ابو علی حسن بن مروان نے ایک نئی حکومت قائم کی، جو دولت مروانیہ کے نام سے ۴۸۹ھ تک قائم رہی، حلب میں (۴۱۴-۴۷۲ھ تک) خاندان مرواس حکومت کرتا رہا، پورب کی طرف افغانستان میں غزنوی حکومت قائم ہوئی جس میں سلطان محمود غزنوی بہت مشہور ہے،

(۲۶)

قائم سنہ ۴۲۲-۴۶۷ھ

باپ کے مرنے پر قائم خلیفہ ہوا، عباسیوں کی قوت پہلے ہی ختم ہو چکی تھی، اب بنی بویہ بھی آپس میں لڑ لڑ کر تباہ ہو چکے تھے، ان میں کوئی قوت باقی نہ تھی، پورے ملک کا کیا ذکر ہے بغداد کا انتظام بھی ان سے نہ سنبھلتا تھا، اور یہاں دن دھاڑے لوٹ مار ہونے لگی، بغداد میں شیعہ امرار نے یہ صورت دیکھ کر یہاں فاطمیوں کی حکومت قائم کر دینے کی کوشش کی، مگر سلجوقیوں[1] کا زور بڑھ چکا تھا، اور بغداد سے اُن کے تعلقات پیدا ہو چکے تھے اس لیے قائم نے سلجوقی سلطان طغرل بیگ سے مدد مانگی، وہ تو اس کے لئے تیار ہی تھا، فوراً روانہ ہو گیا، بنی بویہ کا آخری بادشاہ ملک رحیم گرفتار ہوا، اور دیلمیوں کی جگہ سلجوقی حکومت قائم ہو گئی،[2] طغرل نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون خلیفہ کے نکاح میں دی اور خود خلیفہ کی بیٹی کے ساتھ اپنا نکاح کیا،

---

[1] سلجوقیوں کے پانچ حصے تھے، جو الگ الگ علاقوں پر حکومت کرتے تھے۔

(۱) سلاجقۂ اعظمی (سنہ ۴۲۹، ۵۵۲ھ) یہ خراسان، عراق اور فارس وغیرہ پر قابض تھی،

(۲) سلاجقۂ کرمان (سنہ ۴۳۳-۵۸۳ھ)

(۳) سلاجقۂ کردستان (سنہ ۵۱۰-۵۹۰ھ)

(۴) سلاجقۂ شام (سنہ ۴۸۷-۵۱۱ھ)

(۵) سلاجقۂ روم (سنہ ۴۷۰-۷۰۰ھ)

قائم کے زمانہ میں رومیوں نے پھر مقابلہ کی ہمت کی، لیکن اب سلجوقیوں کی مضبوط حکومت قائم تھی سلطان الپ ارسلان تیزی کے ساتھ آگے بڑھا، خلاط کے قریب مقابلہ ہوا جس میں رومیوں کو سخت شکست ہوئی، رومی بادشاہ خود گرفتار اور پندرہ لاکھ دینار دے کر چھوٹا، ۴۷۵ھ میں انطاکیہ رومیوں کے ہاتھ سے نکل کر پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۹) ان میں دو شاخیں زیادہ مشہور ہیں،

(۱) سلاجقۂ اعظمی (۲) سلاجقۂ روم

بغداد پر سلاجقۂ اعظمی ہی کا اثر تھا، ملک شاہ سلجوقی اور اس کا مشہور وزیر نظام الملک طوسی اسی شاخ میں تھے، ان کی کمزوری کے بعد کردستان کی شاخ کا کچھ دن اثر رہا، کوئی سو برس تک سلجوقیوں کا دور دورہ رہا لیکن بعد میں یہ کمزور ہوتے ہوتے، بالکل مٹ گئے، سلاجقۂ روم نے البتہ بڑی عمر پائی، آخر ۷۰۰ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں ان کا بھی خاتمہ ہوگیا، تو عثمانی ترکوں نے ان کی جگہ لی، اور آج تک کسی طرح حکومت کر رہے ہیں۔

(۲۷-۲۸)

مقتدی ۴۶۷-۴۸۷ھ مستظہر ۴۸۷-۵۱۲ھ

یہ دونوں بہت ہی دیندار، سمجھدار اور منتظم تھے، لیکن بغداد کے سوا ان کا اثر ہی کہاں تھا،
کہ کچھ اصلاح کر پاتے، بادشاہت تو مدت سے دوسروں کے پاس تھی، عباسیوں کا صرف نام باقی تھا
جزیرہ صقلیہ (سسلی) جسے زیادۃ اللہ اغلبی نے فتح کیا تھا، اور اب فاطمیوں کے قبضہ میں
تھا، سنہ ۴۸۴ھ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا،

مستظہر کے زمانہ میں خراسان کی طرف خوارزم شاہی حکومت قائم ہوئی، جو تاتاریوں
کے حملہ تک باقی رہی، (سنہ ۴۹۰-۶۲۸ھ)

سلجوقیوں نے حالت سنبھال لی تھی، لیکن ملک شاہ کے بعد اُن کی قوت کم ہونے لگی،
اور مسلمان پھر آپس ہی میں لڑنے بھڑنے لگے، یہ حال دیکھ کر فرنگیوں (یورپ کے عیسائیوں) نے
مسلمانوں پر دھاوا بول دیا، تاکہ اُن سے بیت المقدس چھین لیں، مسلمان تو آپس ہی میں
جھگڑ رہے تھے، مقابلہ کون کرتا، نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں شکست ہوئی، اور کئی چھوٹی چھوٹی فرنگی
حکومتیں قائم ہو گئیں، اِن لوگوں نے مسلمانوں کو ایسی سخت تکلیفیں پہنچائیں کہ ان کے ذکر سے بدن کے رونگٹے کھڑے
ہو جاتے ہیں،

فرنگیوں کی مصیبت کیا کم تھی کہ باطنیوں نے غضب ڈھانا شروع کیا، یہ لوگ
فاطمیوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ شریعت کا ایک تو ظاہر حکم ہوتا ہے جیسے سب

سمجھتے ہیں، لیکن اس کا اصلی مطلب چھپا ہوتا ہے جو صرف امام ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، اس عقیدہ کی وجہ سے انہیں بڑی آسانی تھی، جہاں جیسا موقع ہوتا، ویسے معنی بیان کرتے اور جیسی ضرورت ہوتی ویسا ہی حکم گھڑ لیتے، شریعت کیا تھی ان کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن کر رہ گئی تھی، جس میں ہمیشہ توڑ مروڑ کرتے رہتے،

پہلے تو یہ لوگ صرف زبانی تبلیغ کرتے تھے، لیکن اتفاق سے ایک شخص حسن بن صبّاح اُن کی جماعت میں داخل ہو گیا، یہ بڑا زبردست آدمی تھا، اس نے ایسی ترکیبیں لڑائیں کہ باطنیوں کی اچھی خاصی حکومت قائم ہو گئی، یہ لوگ اب سختی پر بھی اُتر آئے، جو ان کی مخالفت کرتا، آناً فاناً مار ڈالا جاتا، حسن نے قلعہ الموت میں ایک بہت عمدہ باغ لگوایا تھا، جس میں خوبصورت خوبصورت عورتیں، عمدہ عمدہ نہریں اور اچھی اچھی عمارتیں موجود تھیں، اپنے مریدوں کو بھنگ پلا کر بیہوش کر دیتا، پھر اس باغ میں پہنچا دیتا، مرید کی آنکھ کھلتی تو دیکھتا کہ ایک بڑی ہی خوبصورت جگہ میں لیٹا ہوا ہے، حوریں (عورتیں)۔ غلمان (لڑکے) خدمت کے لئے حاضر ہیں، دودھ و شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں، جن کے کنارے میوہ دار درخت لگے ہیں، وہ حیران ہو کر پوچھتا کہ میں کہاں ہوں، حوریں اور غلمان یقین دلاتے کہ یہی جنّت ہے، جو امام کی تابعداری کی وجہ سے نصیب ہوئی ہے، دس پندرہ دن اسی حال میں گذر جاتے، تو پھر ایک دن بیہوش کر کے باہر کر دیا جاتا، جب ہوش آتا تو سب کچھ غائب نظر آتا، اب پھر وہ خوشامد کرتا کہ وہیں پہنچا دو، حسن اور اس کے آدمیوں کی طرف سے یقین دلایا جاتا کہ بلا مرے وہاں پہنچنا ناممکن ہے، موت کے بعد البتہ وہاں پہنچ سکتے ہو، اگر امام کا کہنا مانو، اور اس کی تابعداری کرتے میں جان دو،

اس ترکیب سے حسن کے مریدوں میں بڑی ہمت و بہادری پیدا ہو جاتی، اور وہ۔

اپنے پیر کے حکم پہ ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہتے، یہ لوگ فدائی کہلاتے تھے سخت سے سخت موقعوں پر یہی فدائی کام آتے اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بڑے سے بڑے آدمی کو قتل کر دیتے مسلمانوں کے خدا معلوم کتنے بڑے بڑے آدمی ان فدائیوں کے ہاتھوں مارے گئے، ملک شاہ سلجوقی نے ان کا زور کم کیا، لیکن اس کا وزیر نظام الملک طوسی ایک فدائی کے ہاتھ سے مارا گیا، ملک شاہ کے بعد اُس کے بیٹے سلطان محمد نے پھر بڑی کوشش سے ان کا زور توڑا، آخر میں رہی سہی طاقت تاتاریوں نے ختم کی، ہلاکو خاں نے اُن کے قلعہ الموت پر قبضہ کر لیا، اور ہمیشہ کے لئے باطنیوں کا خاتمہ ہو گیا،

(۲۹ - ۳۰)

مسترشد ۵۱۲-۵۲۹ھ راشد ۵۲۹-۵۳۰ھ

مستظہر کے بعد مسترشد اور اس کے بعد راشد تخت پر بیٹھے۔

مسترشد ہمت والا خلیفہ تھا، سلجوقیوں کا زور خانہ جنگیوں کی وجہ سے ٹوٹ چکا تھا، اس لئے مسترشد نے اُن کے پنجہ سے چھوٹنے کی کوشش کی یہ رنگ دیکھ کر سلطان مسعود سلجوقی نے اس کو روکا، مگر وہ کب رکنے والا تھا، دونوں میں لڑائی ہوئی سلطان مسعود سلجوقی نے مسترشد کو شکست دی، اور تمام اختیارات چھین لئے، مسترشد ایک باطنی کے ہاتھ سے مارا گیا اور راشد تخت پر بیٹھا۔ اس نے مسعود سے باپ کا بدلہ لینا چاہا، اس پر مسعود فوج لے کر بغداد آیا، راشد بھاگ گیا اور اس کی جگہ مقتفی بادشاہ ہوا۔

مقتفی ۵۳۰ - ۵۵۵ھ

سلطان مسعود نے اپنی بہن فاطمہ مقتفی کے نکاح میں دیدی، ۵۴۷ھ میں مسعود کا انتقال ہوگیا، اس کے مرتے ہی سلجوقیوں پر زوال آگیا، ملک کے کچھ حصہ پر خلیفہ نے قبضہ کرلیا، باقی اتابک یعنی سلجوقیوں کے فوجی سرداروں میں بٹ گیا، اور کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئیں جن کے نام یہ ہیں،

ریاست	
۱- خوارزم شاہی (۴۹۰-۶۲۸ھ)	آخر میں تاتاریوں کے ہاتھ آئی۔
۲- ارتقیہ کیفیہ (۴۹۵-۶۲۰ھ)	بعد کو ایوبیوں کو ملی۔
۳- ارتقیہ ماردینیہ (۵۰۲-۸۱۱ھ)	عثمانی ترکوں کے قبضہ میں آئی۔
۴- اتابکیہ دمشق (۴۹۷-۵۴۹ھ)	زنگیوں کے ہاتھ آئی۔
۵- اتابکیہ موصل (۵۲۱-۶۶۰ھ)	تاتاریوں کا قبضہ ہوا۔
۶- اتابکیہ حلب (۵۲۱ھ)	نورالدین محمود زنگی اسی شاخ میں ہوئے ہیں، بعد کو ایوبیوں یعنی سلطان صلاح الدین کے خاندان کو یہ حکومت بھی ملی،
۷- اتابکیہ سنجار (۵۶۶-۶۱۷ھ)	یہ بھی ایوبی حکومت میں شامل ہوئی۔
۸- اتابکیہ جزیرہ (۵۷۶-۶۴۸ھ)	یہ بھی ایوبیوں کو ملی، اور اس پر بھی سلطان

		صلاح الدّین کے خاندان کا قبضہ ہوا۔[1]
۹۔	اتابکیہ اربل ۔ ۶۳۰ھ)	یہ عباسیوں کو ملی اور تاتاریوں کے حملہ تک ان ہی کے قبضہ میں رہی،
۱۰۔	اتابکیہ فارس (۵۴۳ھ ـ ۶۸۶ھ)	یہ تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی، ابوبکر ابن سعد زنگی اسی خاندان میں تھا، یہ وہی ابوبکر سعد ہے، جس کی شیخ سعدی نے اپنی کتاب گلستاں میں تعریف کی ہے، اور جس کے نام پر انھوں نے اپنا تخلص سعدی رکھا تھا،
۱۱۔	اتابکیہ آذربائیجان (۵۳۱ھ ـ ۶۲۲ھ)	یہ خوارزمیوں کے قبضہ میں آئی۔
۱۲۔	اتابکیہ لورستان (۵۴۳ھ ـ ۷۰ھ)	
۱۳۔	شاہان ارمن (۴۹۳ھ ـ ۶۰۴ھ)	یہ ایوبیوں کو ملی

---

[1] نمبر ۵ ـ ۶ ـ ۷ ـ ۸ ان چاروں کی اصل موصل ہی کی اتابکی ریاست ہے عماد الدین زنگی کے بعد ان کے دونوں بیٹوں سیف الدین اور نورالدین محمود زندگی میں موصل اور حلب کی سلطنت تقسیم ہوگئی، پھر سیف الدین کے بعد اسکے لڑکے قطب الدین کی دو اولادیں ہوئیں،

(۱) سیف الدین (۲) عماد الدین، سیف الدین تو موصل ہی میں رہا لیکن عماد الدین کے حصہ میں سنجار کی حکومت آئی، آگے چل کر اس سیف الدین کا ملک بھی دو حصوں میں تقسیم ہوا، ایک بیٹے عزالدین کو موصل کی حکومت ملی اور دوسرے بیٹے سنجر شاہ کے حصہ میں جزیرہ کی حکومت آئی،

یہ تو سلجوقی حکومت کا حال تھا، غزنی کے سلطان محمود کا ذکر پہلے آچکا ہے، اسی زمانہ میں اس کے خاندان سے سلطنت نکل کر غوریوں کے قبضہ میں آئی جن میں شہاب الدّین غوری ہوا ہے، جس نے ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت قائم کی[1]

فرنگیوں کا زور و لیسا ہی تھا، عبّاسیوں میں مقابلہ کی ہمّت کہاں تھی، وہ تو کہو اللہ نے سلطان نور الدّین زنگی اور اُن کے جوانمرد و اولو العزم افسر سلطان صلاح الدّین ایوبی کو پیدا کر دیا جن کی ہمت و مستعدی سے عیسائیوں کو سخت شکست ہوئی، اور تمام گئے ہوئے ملک پھر مسلمانوں کو واپس مل گئے،

د ۵۵۵ھ میں مقتفی نے وفات پائی،

---
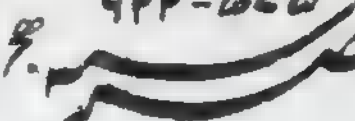
[1] ہندوستان کا حال آخر میں آئے گا،

۳۲-۳۳

مُستنجد ۵۵۵-۵۶۶ھ مستضی ۵۶۶-۵۷۵ھ

مقتفی کے بعد مستنجد اور اس کے بعد مستضی خلیفہ ہوئے۔ یہ دونوں بڑے منتظم، نیک اور منصف مزاج تھے، بنی بویہ کے وقت سے عباسی صرف نام کے خلیفہ رہ گئے تھے، لیکن مقتفی نے کوشش کر کے پھر تھوڑی بہت سلطنت پیدا کر لی، مستنجد کے زمانہ میں مصر کی فاطمی حکومت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ موصل کے امیر نور الدین زنگی کی طرف سے اسد الدین شیر کوہ مقرر ہوئے، شیر کوہ کے بعد سلطان صلاح الدین کو حکومت ملی، اور انھوں نے مستضی کے زمانہ میں عباسی خطبہ جاری کر دیا، اسی زمانہ میں سلطان نور الدین کی وفات ہو گئی، یہ بہت نیک، نہایت دیندار اور بڑے پکے مسلمان تھے، ان کا اور ان کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے، انہی لوگوں نے ہمت کر کے صلیبی فرنگیوں کا مقابلہ کیا، اور اللہ کا نام لیکر ایسی زبردست کوشش کی کہ (لکھو کھا عیسائیوں کے پیر اکھڑ گئے) اور صلیبی لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا اور بیت المقدس پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا (۵۸۳ھ) صلاح الدین نے مصر و شام میں اپنی حکومت قائم کی اور ایک مدت تک اس خاندان کے لوگوں نے عباسی حکومت کے ماتحت بڑی خوبی سے ان دونوں ملکوں پر حکومت کی ان کا نام ایوبی بادشاہ ہے،

(۳۴) ناصرؒ ۵۷۵-۶۲۲

(۳۵) ظاہرؒ ۶۲۲-۶۲۳

(۳۶) مستنصرؒ ۶۲۳-۶۴۰

مستضی کے بعد ناصر تخت پر بیٹھا، اس کے زمانہ میں سلطان صلاح الدین نے فرنگیوں کو بالکل شکست دے دی اور بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔

ناصر کے بعد ظاہر تخت پر بیٹھا، لیکن سال ہی بھر میں وفات پا گیا، اور اس کی جگہ اس کا بیٹا مستنصر خلیفہ ہوا، یہ بڑا نیک مزاج بادشاہ تھا،

(۳۷)

مستعصم ۶۴۰-۶۵۶ھ

مستنصر کے بعد اُس کا بیٹا مستعصم خلیفہ ہوا ناصر کے زمانہ ہی میں تاتاری نکل پڑے تھے اور چنگیز خاں اور اس کی اولاد مسلمان حکومتوں کو تباہ و برباد کر رہی تھی، لیکن بغداد کی طرف اب تک بڑھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، مستعصم کے زمانہ میں ایک مرتبہ بغداد کے سُنّی شیعوں میں لڑائی ہوئی، جسمیں شیعوں کو نقصان پہنچا، مستعصم کا وزیر ابن علقمی شیعہ تھا، اس واقعہ سے یہ آگ بگولا ہو گیا، اس زمانہ میں چنگیز خان کا پوتا ہلاکو، تاتاریوں کا بادشاہ تھا، ابن علقمی نے اسے بغداد پر حملہ کرنے کیلئے ابھارا، ہلاکو تو دل سے یہ چاہتا تھا، اطلاع ملتے ہی فوراً روانہ ہو گیا، اور ۵ محرم ۶۵۶ھ کو بغداد میں آ پہنچا، مستعصم بیچارے میں مقابلہ کی تاب کہاں تھی، چند دن میں تاتاریوں نے شہر پر قبضہ کر لیا، اور قتل عام شروع کر دیا، ہمہ شما کا کیا ذکر ہے خود خلیفہ اور اس کی اولاد نہ بچ سکی، بغداد جو کبھی دنیا کا سب سے بڑا آباد اور بارونق شہر تھا، دم کی دم میں تہس نہس ہو گیا، آدمی مارے گئے، دولت لوٹی گئی، عمارتیں توڑی گئیں، کتب خانے برباد کیے گئے، ایک چیز ہو تو اسے رویا جائے، ان وحشیوں نے تو سارے شہر کو خاک میں ملا دیا، مشہور ہے کہ صرف کتابیں ہی دجلہ میں اتنی ڈالی گئیں کہ ان کی سیاہی سے پانی کا رنگ بدل گیا،

پانچواں باب

مصر کی عباسی خلافت

بغداد کی تباہی کے بعد عباسی خاندان کے دو شخص وہاں سے کسی طرح نکل بھاگے ایک ابوالقاسم احمد بن ظاہر باللہ اور دوسرا ابوالعباس احمد مسترشد باللہ، ابوالعباس تو حلب میں رہ گیا، لیکن ابوالقاسم رجب ۶۵۹ھ ہجری میں مصر پہنچا، اس زمانہ میں یہاں ملک ظاہر بیبرس بادشاہ تھا اس نے بڑی آؤ بھگت کی، ایک بڑا دربار کیا جس میں امیر وزیر عالم قاضی، سب جمع ہوئے، ان سب کے سامنے قاضی تاج الدین نے نسب کی تحقیق کی، جب اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ ابوالقاسم سچ مچ عباسی ہے، تو اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی، اور بغداد کی تباہی کے تین برس بعد پھر مصر میں خلافت کا سلسلہ شروع ہوگیا، لیکن ان کے پاس کوئی دنیاوی طاقت نہ تھی، صرف انھیں دینی عزت حاصل تھی، اب ارادہ ہوا کہ دونوں بھائی مل کر تاتاریوں پر حملہ کریں، ملک ظاہر نے دس لاکھ دینار سے سامان درست کیا، اور مستنصر (یعنی ابوالقاسم) روانہ ہوگیا، ۳ محرم ۶۶۰ھ کو تاتاریوں سے مقابلہ ہوا۔ لیکن مسلمانوں کو شکست ہوئی، اور مستنصر (ابوالقاسم مارا گیا

اس کے بعد ابوالعباس حلب سے بلاکر حاکم باللہ کے نام سے خلیفہ بنایا گیا۔

اوپر ہم لکھ چکے ہیں، کہ یہ لوگ صرف نام کے خلیفہ تھے، اُن کی جو کچھ حیثیت تھی صرف دینی تھی، دنیاوی طاقت انھیں کبھی حاصل نہیں ہوئی، اور یہ لوگ ہمیشہ مصر کے بادشاہوں کے ماتحت رہے، اور صرف گذارہ پاتے رہے، اس لئے ان کا مفصل ذکر بیکار ہے، اس سلسلے کے لئے صرف نام لکھ دینے کافی ہیں

نمبر	نام	سنہ	کیفیت
۱	ابوالقاسم مستنصر	سنہ ۶۵۹-۶۶۰ھ	اوپر ذکر آچکا ہے۔
۲	ابوالعباس حاکم	سنہ ۶۶۰-۷۰۰ھ	ذکر ہو چکا ہے۔
۳	مستکفی اوّل	سنہ ۷۰۱-۷۴۰ھ	وفات پائی۔
۴	واثق	سنہ ۷۴۰-۷۴۱ھ	معزول کیا گیا۔
۵	حاکم دوم	سنہ ۷۴۱-۷۵۳ھ	وفات پائی۔
۶	معتضد اوّل	سنہ ۷۵۳-۷۶۳ھ	وفات پائی
۷	متوکل	سنہ ۷۶۳-۸۱۸ھ	وفات پائی۔
۸	مستعین	سنہ ۸۰۸-۸۱۵ھ	چند مہینوں کے لئے اسے دنیاوی طاقت بھی حاصل ہوئی، لیکن پھر معزول کیا گیا۔
۹	معتضد دوم	سنہ ۸۱۵-۸۴۵ھ	وفات پائی،
۱۰	مستکفی دوم	سنہ ۸۴۵-۸۵۴ھ	وفات پائی،
۱۱	قائم	سنہ ۸۵۴-۸۵۹ھ	وفات پائی،
۱۲	مستنجد	سنہ ۸۵۹-۸۸۴ھ	قید کیا گیا۔
۱۳	متوکل دوم	سنہ ۸۸۴-۹۰۳ھ	وفات پائی،

۱۴-	مستمسک	سنہ ۹۰۳-۹۲۰ھ	وفات پائی،
۱۵-	متوکل سوم	سنہ ۹۲۰-۹۲۳ھ	

متوکل سوم سب سے آخری عباسی خلیفہ ہوا ہے، سنہ ۹۲۳ھ میں عثمانی سلطان سلیم اوّل نے مصر و شام و عرب کو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

چھٹا باب

اندلس (اسپین)

اندلس یورپ کے جنوب میں شمالی افریقہ کے ملک مراکش کے پاس ایک ملک ہے،

مراکش اور اسپین کے بیچ میں پانی کی صرف ایک تپلی لکیر حائل ہے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسلمان شمالی افریقہ کے کونے تک پہونچ چکے تھے، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وہ اور آگے بڑھے، اور ولید کے زمانہ میں دسنہ ۹۲ھ مشہور مسلمان جنرل طارق نے اندلس کے بادشاہ راڈرک کی ایک لاکھ فوج کو بارہ ہزار فوج سے شکست دے کر ملک پر قبضہ کر لیا،

مسلمانوں نے اس ملک پر چھ سو برس تک حکومت کی، اور وہاں ایسے بس گئے تھے کہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کبھی اس ملک سے ایسا نکل جائیں گے کہ ایک مسلمان بھی وہاں باقی نہیں رہے گا۔

عین اُس وقت جب ترک یورپ کے ملکوں میں آگے بڑھ رہے تھے، یورپ کی دوسری طرف عرب کمزور ہو کر اپنے بزرگوں کی چھ سو برس کی کمائی کو برباد کر رہے تھے،

جب تک بنی امیہ کی حالت اچھی رہی، اندلس کا انتظام بھی ٹھیک رہا، لیکن جوں جوں ان کی سلطنت میں کمزوری آتی گئی، یہاں کی حالت بھی خراب ہوتی گئی،

۱۳۲ھ میں جب بنی عباس کے ہاتھوں امویوں کا خاتمہ ہوا تو عبدالملک کا پرپوتا

عبدالرحمٰن الداخل کسی طرح جان بچا کر اندلس پہنچا، یہاں اُس زمانہ میں عجب ابتری پھیلی ہوئی تھی، عرب و بربر ایک دوسرے کے دشمن تھے، مدنی دمشقی آپس میں لڑ رہے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عرب کے دو قبیلے حمیری اور مضری ایک دوسرے کو کھائے جاتے تھے، آپس کے ان جھگڑوں کی وجہ سے ملک تباہ ہو گیا تھا، اور قریب تھا کہ بالکل عیسائیوں کے قبضہ میں چلا جائے، کہ اتنے میں عبدالرحمٰن الداخل نے قدم رکھا، اس نے کچھ ایسی حکمت و تدبیر سے کام لیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں سارا ملک قبضہ میں آ گیا، اور اندلس میں پھر سے اموی حکومت قائم ہو گئی جو ۴۲۲ھ تک باقی رہی، اس خاندان میں پندرہ بادشاہ ہوئے، جن کے نام یہ ہیں،

(۱)، عبدالرحمٰن الداخل (۲) ہشام اوّل (۳)، حکم اوّل (۴)، عبدالرحمٰن دوم (۵)، محمد، (۶)، منذر (۷)، عبداللہ (۸)، عبدالرحمٰن الناصر (۹)، حکم دوم (۱۰)، ہشام دوم (۱۱)، محمد مہدی (۱۲)، سلیمان مستعین (۱۳)، عبدالرحمٰن مستظہر (۱۴)، سلیمان مستکفی (۱۵)، ہشام معتمد،

کوئی چار سو سال تک اس خاندان کی حکومت رہی، سب سے پہلے عبدالرحمٰن بادشاہ ہوئے، اور اپنی محنت و توجہ سے سارے جھگڑے فساد دور کر دیئے، ان کے بعد حکم اوّل، ان کے بعد ہشام اوّل، پھر عبدالرحمٰن دوم بادشاہ ہوئے، ان لوگوں نے بڑی قابلیت و مستعدی سے کام کیا، اور اس اندلس کو جو پہلے ویران و تباہ تھا، اپنی لیاقت و تدبیر اور محنت و توجہ سے گلزار بنا دیا، جس جگہ پہلے خاک اڑتی تھی، وہاں ہرے بھرے باغ لہلہاتے کھیت، بہتی نہریں، شاندار کارخانے اور خوبصورت محل، کھڑے ہو گئے، جہالت و بے علمی کی جگہ علم کا چرچا ہونے لگا، اور وحشت کے بدلے انسانیت پیدا ہو گئی، عبدالرحمٰن دوم کے بعد محمد، منذر، اور عبداللہ بادشاہ ہوئے لیکن ان میں اپنے بزرگوں کی سی ہمت تھی نہ ویسی قابلیت، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک بھر میں پھر اُدھم مچنے لگا اور سلطنت کے حصے بخرے شروع ہو گئے۔

حالت یہ تھی کہ سنہ ۳۰۰ھ میں عبدالرحمٰن الناصر تخت پر بیٹھا، اُس وقت ملک کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی، ایک طرف عیسائیوں کا زور تھا، دوسری طرف خود مسلمانوں میں تفرقہ تھا، کوئی اور ہوتا تو گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوتا، لیکن عبدالرحمٰن کو اللہ نے عجیب دل و دماغ دیا تھا، اس نے ایسی تو تیر سے کام کیا کہ تھوڑی ہی مدت میں سارے دشمن دب گئے، اور ہر طرف اس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا،

عبدالرحمٰن الناصر کو عمارتوں کا بڑا شوق تھا، اس نے ایسی ایسی نفیس خوبصورت عمارتیں بنوائیں جنھیں دیکھ کر عقل چکر میں آجاتی تھی، پایہ تخت قُرطبہ کی رونق و آبادی کا کیا کہنا، ۲۴ میل کی لمبان اور چھ میل کی چوڑان میں آباد تھا، ایک لاکھ تیرہ ہزار مکانات، اسّی ہزار چار سو دوکانیں، سات سو مسجدیں، نو سو حمام (غسل خانے) اور چار ہزار تین سو گودام تھے، شاہی محل، امیروں وزیروں کی کوٹھیاں اس کے علاوہ تھیں، کل آبادی دس لاکھ سے اوپر تھی،

شہر میں جگہ جگہ خوبصورت پارک اور پھلوں سے لدے ہوئے باغ تھے، قدم قدم پر سنگ مرمر کے فوارے جاری تھے، راستوں اور گلیوں میں پتھر کا فرش تھا، سڑکوں پر شامیانے لگے ہوئے تھے، تاکہ گرمی میں مسافروں، دوکانداروں اور چلنے پھرنے والوں کو تکلیف نہ ہو، بازار ساری دنیا کے سامان سے بھرے رہتے تھے، مسافروں اور سوداگروں کے آرام کے لئے بڑی بڑی سرائیں بنی ہوئی تھیں، جہاں ضرورت کی تمام چیزیں موجود رہتی تھیں،

قُرطبہ سے ملا ہوا زہرا کا وہ مشہور شہر تھا، جس کی خوبی اور خوبصورتی کے قصے آج تک مشہور ہیں، اور جس کی عمارتوں کے سامنے دنیا کی تمام عمارتیں بے حقیقت ہیں،

ناصر کے بعد حکم بادشاہ ہوا، اور باپ ہی کی طرح حکومت چلاتا رہا، ان لوگوں کی قدردانی کی وجہ سے ساری دنیا کے صاحبِ کمال قرطبہ میں جمع ہو گئے تھے، سینکڑوں اسکول اور کالج قائم تھے، جہاں بڑے بڑے لائق و قابل استاد ہزاروں طالب علموں کو تعلیم دیتے تھے، گھر گھر کتب خانے موجود تھے، جن میں ہر قسم کی کتابیں رہتی تھیں، خود حکم کا کتب خانہ دنیا میں بےمثال تھا، اس میں کئی لاکھ کتابیں تھیں جن کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی، حکم کے شوق اور قابلیت کا اندازہ اس سے کر سکتے ہو کہ ہر کتاب اس کی نظر سے گذری تھی، اور اس پر اسکی رائے، اور دستخط موجود تھے۔

۳۶۶ھ میں حکم نے وفات پائی، اور ملک میں پھر ابتری شروع ہونے لگی، لیکن وزیر منصور کی لیاقت و تدبیر اور ہمت و بہادری سے حالت پھر سنبھل گئی، اور سلطنت کو اتنی ترقی ہوئی کہ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کا زمانہ آنکھوں کے سامنے آ گیا، ۳۹۲ھ میں منصور کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹے وزیر مقرر ہوئے، لیکن ان لوگوں میں اتنی قابلیت نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ پھر گڑبڑ شروع ہوئی، اور ایک سلطنت کے بجائے بیسیوں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں،

عیسائیوں کے لئے اس سے بہتر موقع اور کون ہو سکتا تھا، فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اور مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے، پچاس ساٹھ برس کی گڑبڑ میں عیسائی بڑے زوردار ہو گئے، اور قریب قریب سارا ملک ان کے اثر میں آ گیا، اگر چند دن اور یہی حالت رہتی تو مسلمان بالکل ختم ہو جاتے، لیکن اللہ نے سمجھ دی، اور انھوں نے مل کر مقابلہ کا ارادہ کیا، لیکن اب بھی کمزور تھے، اس لئے انھوں نے مراکش کے بادشاہ یوسف بن تاشفین سے مدد مانگی، یوسف فوراً ایک بڑی فوج کے ساتھ اندلس پہنچا، ۴۷۹ھ میں زلاقہ کے مقام پر الفانسو ششم اسپین

کا عیسائی بادشاہ سے مقابلہ ہوا، اللہ نے مسلمانوں کو کامیاب کیا، عیسائیوں کو ایسی شکست ہوئی کہ مشکل سے پانچسو سوار زندہ بچے، فتح کے بعد ملک مسلمانوں کے سپرد کرکے یوسف واپس چلے گئے، لیکن یہاں پھر آپس کے جھگڑے شروع ہونے لگے، تو ۴۸۳ھ میں آکر ملک پر پورا قبضہ کرلیا، اور ایک بار پھر سارا اندلس ایک جھنڈے کے نیچے آگیا،

۵۴۲ھ تک یہ خاندان حکومت کرتا رہا لیکن یوسف کے انتقال ۵۰۰ھ کے بعد حالت پھر خراب ہونے لگی، اور عیسائیوں نے زور پکڑنا شروع کیا، لیکن اللہ نے پھر اپنا فضل کیا، افریقہ میں ایک نئے خاندان (موحدین) کا اثر بڑھنا شروع ہوا، جو بڑھتے بڑھتے اندلس تک پہنچ گیا، ۵۴۵ھ میں پورے ملک پر ان کا قبضہ ہوگیا جو ۶۲۰ھ تک برابر قائم رہا،

اس خاندان میں: (۱) عبدالمومن (۲) یوسف بن عبدالمومن (۳) یعقوب المنصور (۴) محمد الناصر مشہور بادشاہ ہوئے ہیں، ان کے زمانہ میں مسلمان بہت مضبوط ہوگئے، اور ملک میں پھر رونق آگئی، عیسائیوں نے کئی مرتبہ سر اٹھایا لیکن ہر بار شکست کھائی، آخری معرکہ قلعہ عقاب کے پاس ۶۰۹ھ میں ہوا، اس لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، جس کے بعد موحدین برابر کمزور ہوتے گئے اور بیس برس کے اندر ان کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی،

بنی احمر

موحّدین کے بعد غرناطہ میں بنی احمر کی ایک نئی سلطنت قائم ہوئی، لیکن موحّدین کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی، وہ سارے ملک پر بادشاہت کرتے تھے اور یہ صرف ایک صوبہ کے حاکم تھے، لیکن پھر بھی جہاں تک ہو سکا، انھوں نے مسلمانوں کی شان و شوکت قائم رکھی، اور سنہ ۶۳۰ھ سے سنہ ۸۹۸ھ تک پورے دو سو اڑسٹھ برس ان کا نام مٹنے نہیں دیا، غرناطہ کا قصر الحمرا جس کی خوبصورتی و خوشنمائی کے قصے اب تک لوگوں کی زبانوں پر ہیں، اور جس کے کھنڈر اس مٹی ہوئی حالت میں دیکھ کر بڑے بڑے انجینیر دنگ رہ جاتے ہیں انہی بنی احمر کی یادگار ہے۔

سارے اندلس کے مقابلہ میں اس چھوٹی سی ریاست کی حیثیت ہی کیا تھی، خدا معلوم کسی طرح یہ پونے تین سو برس کا زمانہ گذرا، عیسائیوں کو یہ ریاست کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی، لیکن اُن کے آپس میں کچھ ایسی نااتفاقی تھی کہ مسلمان بچے ہوئے تھے، سنہ ۸۷۴ھ میں ملکہ ازبیلا اور فرڈی نینڈ کی شادی نے آپس کا جھگڑا ختم کر دیا، اب یہ غرناطہ کی طرف بڑھے، یہ موقع بڑا نازک تھا، مسلمانوں کو مل کر مقابلہ کرنا چاہیے تھا، لیکن افسوس ایسے وقت میں بھی ان کے جھگڑے ختم نہ ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۸۹۸ھ میں غرناطہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا، اور مسلمانوں کے لئے کہیں سر چھپانے کی جگہ باقی نہ رہی، ابو عبداللہ (آخری مسلمان بادشاہ) اپنے خاندان کے ساتھ مراکش چلا گیا،

غرناطہ لیتے وقت عیسائیوں نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا، اور ایک عہد نامہ

لکھدیا کہ ان کی جان و مال ان کی جائداد، اُن کے مدرسے، اُن کی مسجدیں، اُن کی عمارتیں، غرض کہ ان کی ہر چیز محفوظ رہے گی، ان کے دینی اور مذہبی کام ہمیشہ کی طرح ہوتے رہیں گے ان کے مقدموں کا فیصلہ خود ان کے قاضی اور مفتی کریں گے، انھیں پوری پوری آزادی ہوگی، اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے گی،

لیکن افسوس کہ عیسائیوں نے ان وعدوں کا ذرا بھی خیال نہ کیا، اور جہاں تک ہو سکا مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کیا، ان کی جائدادیں چھین لیں، عمارتیں گرادیں، مدرسے بند کر دیئے، مسجدیں شہید کر دیں، کتب خانے پھونک دیئے، قبریں کھود ڈالیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندہ آدمیوں کو آگ میں ڈال دیا، مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا گیا، جنھوں نے انکار کیا، انھیں زندہ آگ میں جلادیا گیا، پھانسی دیدی گئی، غرض کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سارا اندلس مسلمانوں سے صاف ہو گیا، اور ایک آدمی بھی اللہ کا نام اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھنے والا باقی نہ رہا، اور یہ سب آپس کی نااتفاقی کی بدولت ہوا،

ساتواں باب
ترک

(۱)
ارطغرل

پہلے باب میں پڑھ چکے ہو کہ جس وقت یورپ کے ایک گوشہ میں عرب مسلمان اندلس میں اپنی سلطنت کھو رہے تھے، تو دوسری طرف ترک مسلمان یورپ کے دوسرے گوشہ میں اپنی سلطنت کو بڑھا رہے تھے، ان ترکوں کو عثمانی ترک کہتے ہیں، کیوں کہ اس سلطنت کے بانیٔ اوّل کا نام عثمان تھا،

عثمانی ترک اصل میں ترکستان کے رہنے والے تھے چنگیز خاں کے حملوں کی وجہ سے انھیں وطن چھوڑنا پڑا، جب حملے ختم ہوئے تو یہ لوگ اپنے وطن واپس ہوئے، دریائے فرات سے اترتے ہوئے ان کا سردار سلیمان ڈوب گیا، اس کے چار بیٹے تھے، دو باپ کی وصیّت کے مطابق وطن واپس آئے اور دو ارطغرل اور دوندار دو ہزار آدمیوں کے ساتھ ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوئے کہ وہاں سلجوقیوں کی پناہ میں رہیں، قریب پہونچکر زمین بوسی کے لئے بیٹوں کو آگے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور خود ساتھیوں کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے رہے، ایکدن راستہ میں دیکھنے

کیا ہیں کہ دو فوجیں لڑ رہی ہیں، ایک کمزور ہے اور دوسری طاقت ور، ارطغرل کے دل میں ہمدردی پیدا ہوئی، وہ جوش میں اپنے ساتھیوں کو لے کر بڑھا، اور کمزور جماعت کے ساتھ ہو کر طاقت ور سے لڑنے لگا، اس نے اس بہادری سے جنگ کی کہ دشمن کو شکست ہوئی، بعد کو معلوم ہوا کہ جن کی مدد کی ہے وہ ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا علاء الدین کیقباد ہے۔ اور ہارنے والے تاتاری ہیں، سلطان علاء الدین ارطغرل سے بہت خوش ہوا، اور رومی سرحد کے قریب بہت کافی زمین جاگیر میں دی، اس زمانہ میں سلجوقی بہت کمزور ہو گئے تھے، علاء الدین نے ارطغرل کو بہت غنیمت سمجھا، اور اسے ہر قسم کی مدد دینے لگا، رومی قریب تھے، اس لئے پہلے ان ہی سے معرکے رہے، چند ہی دنوں میں، ارطغرل نے ان کے بہت سے قلعے فتح کر لئے، اب رومیوں نے تاتاریوں کو ساتھ لیکر حملہ کیا، ارطغرل سلطان کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوا، اور اس بہادری سے لڑا کہ رومیوں اور تاتاریوں دونوں کو شکست ہوئی، علاء الدین نے یہ علاقہ بھی اس کی جاگیر میں شامل کر دیا، اور اس کو اگلی فوج (مقدمۃ الجیش) کا سردار مقرر کیا، اب ارطغرل کے پاس کافی علاقہ ہو گیا، سلطان کے حکم سے قریب کے باغی امیروں کے علاقوں پر بھی حملہ کیا، اور انھیں اپنی جاگیر میں شامل کر لیا، اس طرح اس کا علاقہ بہت بڑھ گیا، اور وہ بہت بڑا امیر ہو گیا،

سنہ ۶۸۷ھ میں وفات پائی،

---

(۲)

غازیِ عثمان پاشا

باپ کے مرنے پر ۶۸۷ھ میں سلطان غیاث الدین سلجوقی کے حکم سے اوسے ریاست ملی، یہی وہ سلطان عثمان ہیں جن کے نام سے ترک عثمانی کہلاتے ہیں، غازی عثمان کی شادی ایک بہت بڑے بزرگ ادب عالی کی بیٹی مال خاتون کے ساتھ ہوئی، ادب عالی کا اثر بہت زیادہ تھا، اس لئے اس شادی کی وجہ سے غازی عثمان کا اثر اور بڑھ گیا،

ریاست ملتے ہی قراچہ حصار کے امیر نکولس نے اس پر چڑھائی کی، لیکن شکست کھائی، اس پر سلطان کی طرف سے اُسے بک کا خطاب ملا، اس کا نام خطبوں میں داخل کیا گیا، اور اسے اجازت دی گئی کہ اپنے نام کا سکہ ڈھال سکتا ہے، نکولس کے علاوہ اور دوسرے سرداروں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، لیکن سب میں عثمان کو فتح ہوئی،

سنہ ۶۹۹ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں سلجوقیوں کا خاتمہ ہوگیا، اور ان کی سلطنت کا ہر رئیس اپنی اپنی جگہ با اختیار بن بیٹھا، تو اس وقت عثمان نے بھی اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا، اور شہر بکی کو اپنا پایۂ تخت بنایا، اس کے پاس بہت سی چھوٹی ریاستیں تھیں جنھیں عثمان نے چند ہی دنوں میں فتح کرلیا، رومی سلطنت نے جو یہ رنگ دیکھا تو مقابلہ کیلئے قسطنطنیہ سے ایک بہت بڑی فوج روانہ کی، مگر لڑائی میں رومی بہت بری طرح ہارے، اب رومیوں نے تاتاریوں کو ساتھ لیکر پھر حملہ کیا، لیکن اس مرتبہ بھی شکست کھائی، اور بہت دور تک ترکوں کا قبضہ ہوگیا، اب غازی

عثمان نے ایشائے کوچک کے تمام رومی سرداروں سے لڑائی کا اعلان کر دیا بعضوں نے جزیہ(خراج)
دے کر صلح کر لی لیکن اکثر تاتاریوں کو ساتھ لیکر لڑے غازی عثمان خاں نے اپنے بیٹے اورخاں کو ان کے
مقابلہ میں روانہ کیا، دشمنوں کو جگہ جگہ شکست ہوئی، آخر ۷۱۷ھ میں بروصہ پر حملہ کیا، دس برس کے
محاصرہ (گھیرنے) کے بعد ۷۲۷ھ میں یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا، فتح کی خبر پہونچی تو غازی عثمان کا آخری وقت
تھا، اور دیکھنے آیا تو اُسے وصیت کی کہ اللہ کا ڈر رکھنا، رعایا کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ رکھنا، انصاف
کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دینا شریعت پر عمل کرنا، اور اسے ملک میں اچھی طرح پھیلانا، یہ بھی تاکید کی
کہ بروصہ کو پایۂ تخت (صدر مقام) بنانا اور مجھے وہیں دفن کرنا،

۳

اورخاں

عثمان نے دو بیٹے چھوڑے، علاء الدین اور اورخاں، اگرچہ علاء الدین پاشا بڑا تھا، لیکن
اس کی طبیعت عبادت کرنے اور سب سے الگ تھلگ (خلوت گزیں) رہنے کی طرف مائل تھی،
اس لئے عثمان خاں نے اپنی حیات ہی میں اورخاں کو بادشاہ نامزد کر دیا تھا، اورخان نے
علاء الدین کو صدر اعظم (وزیر) بنایا، علاء الدین بڑا عقلمند اور سمجھدار تھا، اس نے ملک میں یکساں
بنائی، فوج کا انتظام درست کیا، اندر کا سارا انتظام اسی کے سپرد تھا، اور باہر دشمنوں سے لڑائیاں
اورخاں کے ذمہ تھیں، اس انتظام کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں سارا ایشائے کوچک ترکوں کے
قبضہ میں آگیا، اب ان کی طاقت اتنی بڑھی کہ مجبوراً قیصر روم نے بھی دوستی کی، حدیہ کہ قیصر
کا نتنا کوزینی نے اپنی بیٹی سلطان کے نکاح میں دیدی، (۷۴۶ھ)

۷۵۶ھ میں شاہ سرویہ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی اقیصر (بادشاہ قسطنطنیہ) نے

سلطان سے مدد مانگی، چنانچہ یہاں سے ایک بڑا لشکر بھیجا گیا، لیکن اسی عرصہ میں شاہ سرویہ مرگیا اس لئے کوئی لڑائی نہیں ہوئی، مگر اس طرح ترکوں کو اندازہ ہوگیا کہ رومی کس قدر کمزور ہیں، چنانچہ چند ہی دن بعد سلطان کے بڑے لڑکے سلیمان نے درہ دانیال سے اتر کر یورپ کے کئی شہر فتح کرلئے اور آگے کیلئے یورپ پر قبضہ کا راستہ کھول دیا۔

سنہ ۷۶۰ھ میں شکار کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر سلیمان مرگیا، اورخان کو اس سے بڑا رنج پہنچا، اور دو مہینے بعد انتقال کرگیا، اورخان اپنے باپ غازی عثمان خاں کی طرح بڑا بہادر عقلمند اور سمجھدار تھا، شریعت کا پورا پابند اور رعایا کا بہت زیادہ ہمدرد تھا، اس نے اپنے زمانہ میں ہزاروں مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں، پل سرائیں، لنگرخانے اور حمام (غسل خانے) بنوائے۔

سلطان مُراد اوّل

سلیمان باپ کی زندگی ہی میں مرچکا تھا، اس لئے اورخان کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا مراد تخت پر بیٹھا، انگورہ کے امیر علاء الدین نے بغاوت کی لیکن شکست کھائی، اور انگورہ پر سلطان کا قبضہ ہوگیا، یورپ میں ترکی سپہ سالار لالہ شاہین نے اورنہ (اڈریانوپل) فتح کرلیا، سلطان نے بروصہ کو چھوڑ کر اسے صدر مقام بنایا، جو قسطنطنیہ کی فتح تک برابر صدر مقام رہا، ایک اور سپہ سالار نے درداراور گلیمن پر قبضہ کرلیا، ترکوں کی ان فتوحات کو دیکھ کر یورپ کے بادشاہ گھبرائے، انھوں نے اپنے مذہبی سردار پوپ سے فریاد کی، پوپ نے تمام بادشاہوں کو خط لکھے، سلطان مراد ان دنوں ایشیائے کوچک میں لڑ رہا تھا، شاہ سرویہ نے اس موقع کو بہتر سمجھ کر ۷۶۵ھ میں ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ اورنہ پر حملہ کیا، ترک بڑی بہادری سے لڑے، رومیوں کو شکست ہوئی، اور بری طرح مارے گئے، مراد ایشیائے کوچک کے جھگڑے ختم کرکے اورنہ واپس آیا اور ملک کے انتظام میں لگ گیا،

۷۷۸ھ میں پھر سرویہ اور بلغاریہ دونوں نے مل کر حملہ کیا، لیکن ایک پیش نہ گئی، اور ہار کر سالانہ خراج کے وعدہ پر صلح کی، شاہ بلغاریہ نے اپنی بہن بھی سلطان کو بیاہ دی،

۷۸۲ھ میں پھر ان لوگوں نے شرارت کی، اور خراج کی رقم بند کر دی، تیمور طاشت کی ماتحتی میں مقابلہ کیلئے فوجیں بھیجی گئیں، جس نے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا، اور تین سال بعد صوفیا میں داخل ہو گیا، قیصر روم بھی چپکے چپکے شرارت کرتا رہتا تھا، جب کچھ نہ ہو سکا تو سلطان کے بیٹے صاروجی سے بغاوت کرا دی، سلطان کو معلوم ہوا تو فوراً پلٹا، سلطان کو دیکھ کر فوجوں نے صاروجی کا ساتھ چھوڑ دیا۔

۷۸۹ھ میں شاہ بلغاریہ نے پھر حملہ کیا، لیکن اب بھی شکست کھائی، اور اس کے شہروں پر سلطانی فوجوں کا قبضہ ہو گیا، لیکن اس کی خوشامد پر قصور معاف کیا گیا، اور آدھی سلطنت بھی اس کے پاس رہنے دی گئی، ۷۹۰ھ میں شاہ سرویہ نے حملہ کیا، بڑی سخت لڑائی ہوئی آخر شکست کھا کر گرفتار ہوا اور مارا گیا، فتح تو ہو گئی، لیکن لڑائی کے میدان میں ایک سروی سپاہی نے سلطان کو ایسا خنجر مارا کہ اس سے وفات ہو گئی، (۷۹۱ھ)

---

(۵)

سلطان بایزید اوّل

سلطان مراد کے انتقال کے بعد لڑائی کے میدان ہی میں بایزید کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا، اس کا چھوٹا بھائی یعقوب چلپی اپنی ہمت و بہادری کی وجہ سے بادشاہت کا دعویدار تھا، اس لئے امراء کی رائے سے قتل کرا دیا گیا تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا نہ ہو،

شاہ سرویہ اگرچہ سلطان مراد اول کے زمانہ میں مارا جا چکا تھا جس کے بعد سرویہ ترکوں کے قبضہ میں آگیا تھا لیکن پھر بھی سلطان بایزید نے رحم کر کے اس کے بیٹے اسٹفن کو سلطنت دیدی، صرف یہ وعدہ لے لیا کہ سالانہ خراج دیتا رہے گا، اور جب ترکوں کو ضرورت ہوگی، تو فوج لیکر مدد کیلئے حاضر ہوگا، اسٹفن نے اسے قبول کیا، اور اپنی بہن سلطان کے نکاح میں دیدی، چونکہ سرویہ کی لڑائی میں، قیصر روم بھی در پردہ شریک تھا، اس لئے سلطان بایزید نے ایشیا سے کوچک کے رومی علاقہ پر قبضہ کر لیا، اور قسطنطنیہ پر چڑھائی کردی، ابھی لڑائی ہو ہی رہی تھی کہ خبر آئی کہ رومانیہ کا صوبہ دار ڈلوک مانیس ایک بڑے لشکر کے ساتھ سلطانی پایۂ تخت ادرنہ کی طرف بڑھ رہا ہے، بایزید فوراً لوٹا، ڈلوک کو شکست ہوئی، لیکن سلطان نے صرف سالانہ خراج کے وعدہ پر ملک اسی کے پاس رہنے دیا،

انگورہ میں علاء الدین اور دوسرے امیروں نے بغاوت کی، لیکن سب کو شکست ہوئی، اور سارا علاقہ عثمانی (ترکی) میں شامل کر لیا گیا،

۷۹۳ھ میں بلغاریہ فتح ہو کر سلطنت میں شامل ہوا، چونکہ بادشاہ کا بیٹا مسلمان ہو گیا تھا اس لئے وہی صوبہ دار مقرر ہوا۔ اس فتح سے ہنگری کے بادشاہ کو کھٹکا پیدا ہوا۔ اس نے پوپ سے مدد مانگی، پوپ کے حکم سے بہت بادشاہوں نے لڑائی کی تیاری کی، برگنڈی، بویریا، آسٹریا، جرمنی، ہنگری، اور رفلاخ لڑائی میں شریک ہوئے، معرکہ بہت سخت تھا لیکن اللہ نے سلطان کو فتح دی، اس فتح پر تمام اسلامی ملکوں میں خوشی منائی گئی، اور مصر کے عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ نے سارے علاقہ کی حکومت کا فرمان بھیجا، (۷۹۶ھ)

اس لڑائی کے بعد سلطان نے آسٹریا اور ہنگری پر فوجیں بھیجیں جنہوں نے تھا صارحصہ فتح کر لیا، خود یونان پر حملہ کیا اور فتح کرتا ہوا پایۂ تخت ایتھنز تک پہونچ گیا، یہاں سے واپس ہوا تو قسطنطنیہ کے مسلمانوں کی طرف سے قیصر کے خلاف شکایتیں پہنچیں، اسلئے ادھر توجہ کی، قریب تھا کہ قسطنطنیہ فتح ہو جائے کہ اتنے میں ایشیائے کوچک سے تیمور کے حملے کی خبر آئی مجبوراً دس ہزار اشرفی سالانہ پر صلح کر لی، یہ بھی طے پایا کہ جو مسلمان یہاں رہتے ہیں ان کے لئے ایک الگ شرعی محکمہ قائم ہوگا، جو ان کے مقدموں کا فیصلہ کرے گا، اور انہیں ایک جامع مسجد بنانے کا حق ہوگا،

اس کے بعد بایزید ایشیائے کوچک آیا، انگورہ میں تیمور سے مقابلہ ہوا، بایزید بڑی بہادری سے لڑا، لیکن فوج کے کچھ حصے تیمور سے مل گئے، اس لئے شکست کھائی اور اپنے بیٹے موسیٰ کے ساتھ گرفتار ہو گیا، اور گرفتاری کے دوسرے سال ۸۰۵ھ میں انتقال کر گیا،

(۶)

سُلطان مُحمدؐ اوّل چلپی

بایزید کے بعد اس کے بیٹوں میں لڑائی ہوئی آخر محمد نے سب کو شکست دی اور بادشاہ بن گیا، تیمور کے حملہ اور پھر آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے ملک میں ابتری پھیل گئی تھی جس کی وجہ سے جگہ جگہ نئی نئی ریاستیں قائم ہو گئی تھیں، سلطان محمد کی ساری زندگی انہی سے لڑتے گزری، آخر بڑی مشکلوں سے یہ لوگ قابو میں آئے۔

اسی زمانہ میں ایک شخص بدرالدین نے ایک نیا مذہب نکالا، اور اپنے مرید پیر قلیجہ کے ساتھ مل کر بڑی ہڑبونگ مچائی، ان کی ان شرارتوں سے عاجز آ کر سلطان نے اس طرف توجہ کی بڑی مشکلوں سے یہ لوگ گرفتار ہوئے، اور قتل کئے گئے، ان قصّوں کے بعد ذرا اطمینان ہوا تو سلطان نے ملک کا انتظام درست کرنا شروع کیا، لیکن ابھی اسی میں لگا ہوا تھا کہ ۸۲۴ھ میں ادرنہ میں وفات پائی۔

سلطان محمد بڑا علم دوست اور شریعت کا پابند تھا، اس نے حرمین شریفین (مکہ مدینہ) کے لئے ایک سالانہ رقم مقرر کی جو بعد میں بھی جاری رہی۔

(۷)

سُلطان مُراد سُوم

باپ کی وصیت کے مطابق سلطان مراد تخت پر بیٹھا، یہ شروع میں لڑائی جھگڑے سے بچنا چاہتا تھا، تاکہ ملک کا انتظام درست ہوجائے لیکن قیصر نے کمزور سمجھ کر دھمکیاں دینی شروع کیں، اور جب اس کا اثر نہ ہوا تو کھلم کھلا لڑائی شروع کردی، سلطان کو اس حرکت پر سخت غصہ آیا، اور قیصر پر چڑھائی کردی، لیکن اتنے میں خبر ملی کہ ایشیائے کوچک میں اس کے بھائی مصطفےٰ چلپی نے بغاوت کردی ہے اس لئے فوراً اس طرف روانہ ہوا، مصطفےٰ گرفتار ہوکر قتل ہوا، اور اس کے مددگاروں کو سخت سزائیں ملیں، اس کے بعد قریب کی دوسری ریاستوں پر قبضہ کیا، پھر یورپ کی طرف بڑھا، ہنگری نے آدھے ملک اور سرویہ نے پچاس ہزار سالانہ خراج کے وعدہ پر صلح کی، اس کے بعد سلانیک اور البانیہ پر قبضہ کیا، فلاخ کے امیر ڈراگون نے شاہ ہنگری کے اشارے سے امیر البانیہ کو ساتھ لیکر بغاوت کردی، مراد نے فوراً شکست دی اور اس کے ساتھ ہنگری کے بھی مزاج درست کردیئے ۱۴۲۱ء میں سرویہ نے پھر بغاوت کردی، سلطان نے اسے بھی شکست دی، اور سمندریہ فتح کرکے پایۂ تخت بلغراد کے قریب تک پہونچ گیا، شاہ سرویہ نے بھاگ کر ہنگری میں پناہ لی، مراد نے ٹرانسلوینیا کی طرف فوج بھیجی، امیر ہونیاڈ ہنگری فوجوں کا سردار تھا لڑائی بہت سخت ہوئی، بیس ہزار ترک مارے گئے باقی بھاگ گئے، مراد نے پھر اسی ہزار فوج بھیجی، لیکن اسے بھی شکست ہوئی، اب ہونیاڈ کا نام سارے یورپ میں مشہور ہوگیا، پوپ نے

صلیبی جنگ (عیسائیوں کا جہاد) کا اعلان کر دیا، اور ہنگری کے علاوہ پرشیا، پولینڈ اور سرویہ کی فوجوں نے مل کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا، سلطان کو شکست ہوئی، ادھر ایشیائے کوچک میں بھی بغاوت ہو گئی، مجبوراً سلطان نے فلاخ کو چھوڑ دیا۔ سرویہ کے علاقے واپس کر دیئے، اور ہنگری سے دس سال تک نہ لڑنے کا وعدہ کیا، اسی زمانہ میں سلطان کے بڑے بیٹے علاء الدین کا انتقال ہوا، ان سب باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ سلطان مراد نے سلطنت چھوڑ کر اپنے بیٹے محمد کو تخت پر بٹھا دیا۔

اب عیسائی اور بھی شیر ہو گئے ۸۴۸ھ میں عہدنامہ کے خلاف شاہ ہنگری نے ترکی ریاست بلغاریہ پر حملہ کر دیا، مجبوراً پھر سلطان مراد کو میدان میں آنا پڑا، اورنہ کے مقام پر مقابلہ ہوا، عیسائیوں کو بری طرح شکست ہوئی، خود ہونیاڈ سے بھی کچھ نہ ہو سکا، اور بھاگتے ہی بنی، اس کے بعد محمد کو پھر تخت پر بٹھایا، لیکن انکشاری[1] فوج کی بغاوت کی وجہ سے پھر انتظام ہاتھ میں لینا پڑا، جب یہ قابو میں آ گئی تو یونان پر چڑھائی کی، اتنے عرصہ میں ہونیاڈ بہت بڑا لشکر جمع کر کے پھر آ گیا، سلطان بھی مقابلہ پر آیا، بڑی سخت لڑائی ہوئی جس میں سلطان کو فتح ہوئی اس کے بعد البانیہ پر اس کی شرارت کا مزہ چکھانے کے لئے حملہ کیا اور سالانہ خراج کے وعدہ پر صلح کی

اس کے بعد مراد اورنہ واپس آیا جہاں ۸۵۵ھ میں وفات پائی،

[1] جس طرح عباسیوں نے ایرانی اور ترکی فوج بنائی تھی، اسی طرح ترکوں نے نومسلم عیسائیوں کی ایک زبردست فوج تیار کی تھی جس سے انھیں بڑی بڑی امیدیں تھیں، لیکن جس طرح عباسی اس فوج کے ہاتھوں پریشان ہوئے تھے اسی طرح اس نومسلم فوج نے ترکوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ آگے چل کر ان کی شرارتوں کے بہت سے قصے پڑھو گے تو تمھیں معلوم ہو گا کہ اس فوج نے ترکوں کو کیسا سخت نقصان پہنچایا،

(۸)

سلطان محمد فاتح

محمد فاتح کے زمانہ میں بہت سی عیسائی حکومتوں سے لڑائی رہی جس میں سلطان کو کامیابی ہوئی، لیکن اس کا سب سے بڑا کام قسطنطنیہ کی فتح ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کی وجہ سے مسلمانوں کو اس کی فتح کا بڑا شوق تھا، چنانچہ شروع ہی سے لوگ کوشش کرتے رہے، اور حضرت معاویہؓ کے وقت سے سلطان مراد دوم کے وقت تک آٹھ حملے کئے گئے، لیکن یہ فتح تو سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی، ۸۵۵ھ میں بادشاہ ہوتے ہی تیاری شروع کر دی، اور ۸۵۷ھ میں شہر پر قبضہ کر لیا، اور اورنہ کے بجائے اسے پایۂ تخت قرار دیا، اس وقت سلطان کی عمر صرف چھبیس ۲۶ سال کی تھی،

قسطنطنیہ کے علاوہ سلطان محمد فاتح نے اور بھی بہت سے ملک فتح کئے، اس نے سرویا اور بوسینیا کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، اس نے البانیہ کے باغیوں کو شکست دیکر وہاں اپنی حکومت پھر قائم کر دی، اس نے جمہوریۂ وینس پر حملہ کرکے اس کے جزیرہ نگروپونٹ پر قبضہ کر لیا، اس نے یونان اور بحر ایجین کے جزیروں میں اپنی حکومت قائم کی اور بحر اسود کے ساحل پر سینوپ اور طرابزون کے شہروں کو فتح کیا، اس کے بعد کریمیا پر جو چنگیز خاں کی اولاد کی حکومت میں تھا، قبضہ کیا، سب سے آخر ایک ترکی جنرل نے اٹلی کے جنوبی ساحل پر اتر کر اٹرانٹو کا قلعہ فتح کر لیا، اس کے بعد روما ہی کی فتح کا قصد تھا، اور سلطان اس کے لئے

تیاریاں کر رہا تھا، مگر ۸۸۶ھ میں اس کا انتقال ہوگیا،

سلطان محمد فاتح بڑا بہادر سلطان تھا، جنگ کا اسے خاص ملکہ تھا، اسی وجہ سے اکثر لڑائیوں میں فتح اسی کی ہوتی تھی، لیکن وہ صرف ملک فتح کرنے پر اکتفا نہیں کرتا تھا، جو ملک فتح کرتا، اس کی حکومت کا انتظام بھی بہت اچھے طریقہ پر کر دیتا تھا، اس کو رعایا کی بھلائی کا بہت خیال تھا، اور عیسائیوں کے ساتھ خاص طور پر نرمی کرتا تھا، علم کا بھی اسے نہایت شوق تھا۔

بڑے بڑے عالموں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا، اور ان سے بحث مباحثہ کرنے میں دلچسپی لیتا تھا، نہایت ذہین اور قابل تھا، شاعر بھی بڑے درجہ کا تھا، اس کے اشعار ترکی زبان میں بہت شہرت رکھتے ہیں۔

(۹)

سُلطَان بَایَزِیْدِ دُوُم

سلطان محمد کے بعد بایزید بادشاہ ہوا، یہ مزاج کا نرم تھا، اس لئے کچھ زیادہ لڑائیاں نہیں ہوئیں، اس زمانہ میں ایران میں شاہ اسمٰعیل صفوی کی حکومت تھی، یہ شیعہ مذہب تھا، اس کی کوشش تھی کہ سارا ایران یہی مذہب اختیار کرلے، ترک چونکہ سُنّی تھے اس لئے اسے ان سے عداوت تھی، اور کبھی کبھی آپس میں جھڑپ ہوتی رہتی تھی،

اس زمانہ میں ایک بہت ہی خاص واقعہ پیش آیا، اندلس کے حالات تو پیچھے پڑھ چکے ہو، تمہیں یاد ہوگا کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں طارق نے صرف بارہ ہزار

سواروں سے یہ ملک فتح کیا تھا، اس کے بعد وہاں سینکڑوں برس تک بڑی شان وشوکت سے اسلامی حکومت قائم رہی، آخر میں آپس میں ہی جھگڑے شروع ہوئے، جنھوں نے مسلمانوں کو چور چور کر دیا، اور بایزید کے زمانہ میں ان کی حکومت بالکل ختم کر دی، حالات تو تمہیں معلوم ہیں، یہاں صرف یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اندلس کے آخری بادشاہ ابو عبداللہ نے اس مصیبت میں تمام مسلمان بادشاہوں سے مدد مانگی تھی، لیکن افسوس کہ کسی نے بھی توجہ نہ کی، بایزید قریب تھا، لیکن اس نے بھی زیادہ خیال نہیں کیا، اور صرف ایک معمولی سا بیڑا بھیج دیا، نتیجہ ظاہر ہے کہ مسلمان چن چن کر مارے گئے، اور چند ہی دن میں سارا ملک انہی سے نہیں بلکہ ان کی ایک ایک چیز سے خالی ہو گیا، مسجدیں گرائی گئیں، محل کھودے گئے، مکان برباد کئے گئے، کتب خانے جلائے گئے، غرضکہ آن کی آن میں صدیوں کی محنت پر پانی پھر گیا۔

۹۱۸ھ میں بایزید نے وفات پائی۔

(۱۰)

سلطان سلیم اوّل

بایزید اپنے بعد شہزادہ احمد کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا، لیکن انکشاری فوج اس سے خوش نہ تھی، اس لئے انھوں نے شہزادہ سلیم کو بادشاہ بنایا، احمد اور کرکود دونوں بھائیوں نے مقابلہ کیا، لیکن شکست کھا کر قتل ہوئے، شاہ اسمٰعیل صفوی کا ذکر آچکا ہے، مذہبی اختلاف کی وجہ سے سلطان سلیم سے بھی مقابلہ ہوا، سلیم نے ایران پر چڑھائی کی، شاہ ایران کو شکست ہوئی، اور ترک تبریز میں داخل ہو گئے، اسی لڑائی میں مصر کی ماتحت ریاست

ذوالقدریہ نے ترکوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالی تھی، اس لئے فتح کے بعد اس کا امیر گرفتار کر کے قتل کرا دیا گیا، معاملہ یہیں پر ختم ہو گیا تھا، لیکن شامت کے مارے بادشاہ مصر قانصوہ غوری نے سلطان سلیم کو لکھا کہ ذوالقدریہ میں میرے نام کا خطبہ پڑھا جائے، اس پر سلیم کو بیحد غصہ آیا اور فوراً مصر کی طرف فوج لیکر چل کھڑا ہوا، غوری لڑائی میں مارا گیا۔ اور شام و فلسطین پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا، غوری کے بعد طومان بائے کے مارے جانے پر مصر ترکی حکومت میں شامل ہو گیا، اُس وقت یہاں متوکل علی اللہ سوم عباسی خلیفہ تھا، سلیم اسے اپنے ساتھ قسطنطنیہ لیتا گیا، یہاں جامع ایا صوفیہ میں اُس نے تبرکاتِ خلافت یعنی تلوار، علم اور چادر نبوی سلطانِ سلیم کے حوالہ کی، اور اُس دن سے سلطان ترکی مسلمانوں کا خلیفہ ہو گیا، اُس کے بعد سلطان نے سمندر کی راہ سے جزیرہ روڈس اور خشکی کی راستہ سے ایران پر حملہ کی تیاری شروع کی، تاکہ اس طرف سے ہمیشہ کے لئے اطمینان ہو جائے، لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا اور ۸ شوال (عید) ۹۲۶ھ کو انتقال ہو گیا۔

(۱۱)

سلطان سلیمان اعظم

سلطان سلیم کے بعد سلیمان تخت پر بیٹھا، یہ بڑا زبردست بادشاہ تھا، اُس نے شام کی بغاوت ختم کی، روڈس، ہنگری اور بلغراد کو فتح کر لیا، اور آسٹریا کے دار السلطنت (صدر مقام) ویانا تک اسلامی فوجیں پہنچا دیں، الجزائر خود وہاں کے حاکم خیر الدین پاشا نے حوالہ کر دیا۔

اس زمانہ میں ساری دنیا پر ترکوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اور تمام سلطنتیں اُن کے نام سے لرزتی تھیں، اس وقت موقع تھا کہ ساری دنیا پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جاتا لیکن افسوس

کہ ایران سے میل نہ ہوسکا، اسمٰعیل صفوی تو مرچکا تھا لیکن اس کا بیٹا طہماسپ اس سے بھی زیادہ سخت تھا اس نے جو دیکھا کہ سلیمان یورپ کی لڑائیوں میں لگا ہوا ہے تو فوراً آگے بڑھ کر تبریز پر قبضہ کرلیا سلیمان سنتے ہی آگ ہوگیا، فوراً ایران پر حملہ کردیا اور تبریز فتح کرلیا، اسکے بعد بغداد پر بھی قبضہ کرلیا، ۹۷۴ھ میں سلطان سلیمان نے نقرس کے عارضہ میں وفات پائی،

(۱۲)

سُلطان سلیم دوّم

سلیمان اعظم کے بعد شاہزادہ مصطفٰی بادشاہ ہونے والا تھا لیکن سلطان کی روسی بیوی اپنے بیٹے سلیم کی بادشاہت چاہتی تھی، اس نے کچھ ایسی ترکیبیں لڑائیں کہ مصطفٰی اور اسکے دوسرے بھائی خود سلطان کے حکم سے قتل کردیے گئے اور صرف سلیم باقی رہ گیا جو سلطان کے بعد تخت پر بیٹھا۔

سلیم دوسرے ملک کیا فتح کرتا، اس میں تو اپنا ملک بچانے کی بھی لیاقت نہ تھی وہ تو کہو صدر اعظم (وزیر) محمد پاشا کچھ ایسا عقلمند اور تجربہ کار وزیر تھا کہ سلطنت کی ساکھ باقی رہی، ورنہ ملک کے جلنے میں کیا کسر رہی تھی، اسی کا دم تھا جس نے قبرص فتح کیا، یمن کی بغاوت ختم کی، آسٹریا اور فرانس کو دبائے رکھا، اور ٹیونس کو اسپین کے ہاتھ سے چھین لیا، اور سب سے بڑھکر یہ کہ یورپ، وینس اور اسپین کے زور کو توڑا جنھوں نے مل کر ترکوں کو ختم ہی کرڈالنے کی ٹھان لی تھی،

۹۸۲ھ میں سلیم کا انتقال ہوا۔

(۱۴)

سلطان مراد سوم

مراد باپ کی جگہ بادشاہ ہوا، یہ بڑا عیاش مزاج تھا، تخت پر بیٹھتے ہی بھائیوں کو قتل کرایا، محمد پاشا اب صدر اعظم (وزیر) تھا، جس کی وجہ سے سلطنت کو زیادہ نقصان نہیں پہنچنے پایا، ورنہ یہاں تو حالت یہ ہو گئی تھی کہ محل کی بیگمیں تک سلطنت کے کاموں میں دخل دینے لگی تھیں، فوج جس پر سب کچھ بھروسہ تھا، شرارت اور سرکشی پر تلی ہوئی تھی لیکن صدر اعظم (وزیر) نے اپنی حکمت عملی سے سب کو دبائے رکھا، اس کے ساتھ مراکش کو پرتگال سے بچا کر ترکی حکومت میں شامل کیا، ایران کا زور کم کیا، اور یورپ کی حکومتوں کو کسی نہ کسی طرح روکے رکھا،

سنہ ۱۰۰۳ھ میں مراد کا انتقال ہوا،

---

(۱۴)

سلطان محمد سوم

مراد کے بعد اُس کا بڑا بیٹا محمد تخت پر بیٹھا، اُس نے بھی پہلے ہی بھائیوں پر ہاتھ صاف کیا، لیکن خیر بعد میں کسی قدر سنبھل گیا، اور سلطنت کی دیکھ بھال شروع کی، مراد کی فضول خرچی کا یہ حال تھا کہ صرف ترکاری کی قیمت اسّی ہزار اشرفیاں باقی تھیں، محمد نے یہ سب قرض ادا کیا، فوج کی حالت خراب تھی۔ اس کی طرف توجہ کی، خود اُن کے ساتھ لڑائی کے میدان میں مارا گیا، اور دشمنوں کو شکست دی، ایشیائے کوچک کی بغاوت ختم کی۔

شاہ ایران عبّاس صفوی کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں، لیکن یہ جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ سنہ ۱۰۱۲ھ میں خود سلطان کا انتقال ہو گیا،

(۱۵)

سلطان احمد اوّل

سلطان محمد کے بعد اس کا بڑا بیٹا احمد چودہ سال کی عمر میں بادشاہ ہوا، سلطنت کی حالت پہلے ہی خراب تھی، شاہ عبّاس فوجیں لئے بڑھتا چلا آرہا تھا، ملک کے اندر جھگڑے فساد ہو رہے تھے لیکن خدا کے فضل سے وزارت مراد پاشا کے ہاتھ میں آگئی جو بہت ہی لائق اور سمجھدار تھا، اُس کی توجّہ سے اندر کے جھگڑے مٹے، ملک میں امن قائم ہوا آسٹریا سے جنگ کی

حکومت ملی، عباس کو بھی شکست ہوئی، لیکن صلحنامہ نہ ہوتے پایا تھا کہ مراد پاشا کا انتقال ہوگیا، اور نصوح پاشا اس کی جگہ وزیر مقرر ہوا، اس نے بہت ہی نرم شرطوں پر معاملہ طے کرلیا، جس سے ترکی کو نقصان پہنچا، ۱۰۲۶ھ کو سلطان محمد کی وفات ہوئی، چونکہ شاہزادہ عثمان کی عمر بہت کم تھی، اس لئے اپنے بھائی مصطفےٰ کے لئے بادشاہت کی وصیت کرگیا،

(۱۶)

سلطان مصطفےٰ اوّل

بھائی کی وصیت کے مطابق مصطفےٰ بادشاہ بنایا گیا، لیکن اس کی ساری عمر محل میں عورتوں کے پاس گذری تھی، اس لئے نہایت بے عقل اور سلطنت کے کاموں سے بالکل ناواقف تھا، یہ حال دیکھ کر تین ہی مہینے بعد امیروں نے اسے تخت سے اتار کر شاہزادہ عثمان کو بادشاہ بنادیا،

(۱۷)

سلطان عثمان دوم

عثمان کے تخت پر بیٹھتے ہی پولونیا کے امیر نے شرارت شروع کی، عثمان خود فوج لے کر گیا، لیکن انکشاریہ (نومسلم عیسائی فوج) نے لڑنے سے انکار کردیا، اور ترکوں کو شکست ہوئی، مجبوراً عثمان صلح کرکے واپس آگیا، لیکن انکشاریہ کی اس شرارت سے سخت ناراض تھا، چنانچہ اس نے نئی فوجیں بھرتی کیں، اور جب وہ ٹھیک ہوگئیں تو انکشاریوں کو نکالنا شروع کیا، اس پر انھوں نے بغاوت کردی، اور ۹ رجب ۱۰۳۱ھ کو سلطان مصطفےٰ کو دوبارہ تخت پر بٹھایا، عثمان کو گھسیٹتے اور گالیاں دیتے ہوئے لائے، اور قلعہ کے سامنے قتل کر ڈالا، اس گڑبڑ میں ملک کا انتظام اور خراب ہوگیا۔

جگہ جگہ امیروں اور سرداروں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا، خود خاص قسطنطنیہ میں ڈیڑھ برس تک لوٹ مار ہوتی رہی، آخر میں علی پاشا کمان کش صدر اعظم ہوا، تو اس کی کوشش سے پھر امن قائم ہوا، مصطفیٰ تخت سے اتارا گیا اور ۱۰۳۲ھ میں سلطان احمد کا تیسرا بیٹا مراد بادشاہ بنایا گیا۔

(۱۸)

سلطان مراد چہارم

تخت پر بیٹھتے وقت مراد کی عمر چودہ سال کی تھی، اس لیے کچھ دن تک سارا انتظام وزیروں کے ہاتھ میں رہا، انکشاری فوج کی شرارت کا حال تو تم پڑھ چکے ہو عین لڑائی کے وقت انکار تو کیا ہی کرتے تھے، اب ان کی ہمت یہاں تک بڑھی کہ خود سلطان کے سامنے وزیر اعظم کو قتل کر دیا۔ مراد کو اس کی حرکت پر سخت غصہ آیا، اس نے انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور تھوڑے دنوں میں ان کی قوت توڑ دی،

بغداد ایرانیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا، سلطان مراد نے اسے واپس لیا، بولونیا کی بغاوت ختم کی، اور اگر کچھ اور زندگی رہتی تو مراد ترکوں کو پھر انتہائی ترقی پر پہنچا دیتا، لیکن افسوس ۱۰۴۹ھ کو صرف تیس برس کے سن میں وفات پائی۔

(۱۹)

سلطان ابراہیم

بھائی کے مرنے کے بعد بادشاہ بنایا گیا، یہ پاگل سا آدمی تھا، دن رات کھیل کود اور بیوقوفی کی باتوں میں لگا رہتا، یہ دیکھکر انکشاریہ نے پھر زور پکڑا، ابراہیم نے انکے سرداروں کو قتل کرانا چاہا، لیکن انھوں نے خود اسی کو تخت سے اتار دیا اور ۱۰۵۳ھ میں اس کے سات برس کے بچے محمد کو تخت پر بٹھا دیا۔

(۲۰)

سلطان محمد چہارم

سلطنت کا انتظام پہلے ہی سے خراب تھا، محمد کی کمسنی کی وجہ سے اور بھی ابتری پھیلی اور اندر و باہر ہر جگہ وہ ادھم مچا کر خدا کی پناہ، وہ تو اللہ نے خیر کی کہ محمد پاشا کوپریلی صدر اعظم ہو گیا ورنہ سلطنت کے جلنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی، محمد پاشا نے انکشاری فوج کو قابو میں کیا، ڈومی بطریق کو جس کی شرارت سے وینس نے حملہ کیا تھا، پھانسی دی، پھر وینس کے جنگی جہازوں کو شکست دیکر بھگا دیا۔ اور سارے مقامات چھین لیے، ٹرانسلونیا اور رومانیا کو دبایا،

۱۰۷۲ھ میں یہ لایق وزیر انتقال کر گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا احمد پاشا کوپریلی وزیر ہوا، اس نے بھی باپ کی طرح سارا انتظام درست رکھا، ۱۰۸۶ھ میں یہ بھی وفات پا گیا اور اس کا بہنوئی قرہ مصطفےٰ وزیر ہوا، اس کے زمانہ میں بھی حالت اچھی رہی، لیکن اتفاق سے آسٹریا کے مقابلہ میں شکست کھا گیا، اس پر سلطان نے ناخوش ہو کر اسے ہٹا دیا، اور اس کی جگہ پر ابراہیم پاشا کو وزیر

بنایا، لیکن اس میں وہ بات کہاں تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ آسٹریا نے ہنگری واپس لے لیا، وینس نے موریہ پر قبضہ کر لیا، یہ دیکھ کر سلطان نے سلیمان کو مقرر کیا، سلیمان نے بوڈاپیسٹ پر چڑھائی کی لیکن کامیابی نہ ہوسکی اب سلطان نے سیاوش پاشا کو مقرر کیا، لیکن فوج اس سے خوش نہ تھی، اس لئے بغاوت کردی سلطان محمد سیر و شکار میں لگا ہوا تھا، اور سلطنت سے بالکل غافل تھا، اس لئے مفتی کے فتوی پر ۱۰۹۹ھ کو وہ تخت سے اتار دیا گیا، اور اس کی جگہ اس کا بھائی سلیمان بادشاہ بنایا گیا،

(۲۱)

سلطان سلیمان دوم

فوج نے بڑا اودھم مچایا تھا، ہر جگہ لوٹ مار ہو رہی تھی، سلیمان نے بڑی مشکل سے کسی طرح اُسے قابو میں کیا، اس گڑبڑ میں آسٹریا نے بلغراد فتح کر لیا، سلطان نے محمد پاشا کوپریلی کے پوتے مصطفےٰ پاشا کو وزیر بنایا، مصطفےٰ نے سب سے پہلے فوج کو قابو میں کیا، پھر باہر مقابلے کے لئے نکلا اور دشمنوں کو شکست دے کر سلطنت کا رعب پھر سے قائم کیا،

سنہ ۱۱۰۲ھ میں سلطان سلیمان دوم نے انتقال کیا، یہ بڑا نیک علم دوست اور عابد و زاہد تھا، یہاں تک کہ شروع میں سلطنت تک سے انکار کر دیا تھا، بڑی مشکلوں سے لوگوں نے یہ کہہ سن کر راضی کیا،

۲۲ - ۲۳

احمد دوم مصطفیٰ دوم

سلطان سلیمان کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اس کا بھائی احمد تخت پر بیٹھا اس کے زمانہ میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ جزیرہ ساقز پر وینس کا قبضہ ہوگیا، سنہ ۱۱۰۶ھ میں اس کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد سلطان محمد چہارم کا بیٹا مصطفیٰ دوم تخت پر بیٹھا، یہ بڑا بہادر تھا، خلیفہ ہونے کے تیسرے ہی دن پولونیا پر چڑھائی کر دی کئی مقامات چھین لئے، پیٹر اعظم شاہ (روس)، ازاق فتح کر کے بحیرۂ اسود میں روسی بندرگاہ بنانا چاہتا تھا سلطان مصطفیٰ نے اسے وہاں سے ہٹا دیا، پھر ہنگری پر حملہ کیا، اور اسے بھی شکست دی سنہ ۱۱۰۷ھ میں آسٹریا کو بھی ہرایا، لیکن اتفاقاً آسٹریا کے سپہ سالار اوجین نے اچانک حملہ کیا، جس سے ترکوں کو سخت نقصان پہنچا، اُن کے بڑے بڑے سردار یہاں تک کہ وزیر اعظم بھی مارے گئے، پیٹر نے سلطان کو ادھر پھنسا دیکھ کر ازاق پر قبضہ کر لیا، آخر سنہ ۱۱۱۰ھ میں ترکی کا روس، پولونیا، آسٹریا، اور وینس کیساتھ عہدنامہ ہوا، اس میں طے پایا کہ ہنگری اور ٹرانسلونیا آسٹریا کو، یوکرین پولونیا کو، ازاق روس کو، مورہ اور ڈلماسیا وینس کو دیئے جائیں، اور آئندہ سے آسٹریا ترکی کو کوئی خراج دے،

اس عہدنامہ سے ترکی کو سخت نقصان پہنچا، اس کے بعد ترکوں کا رعب جاتا رہا، یورپ کی حکومتوں نے آپس میں طے کیا کہ ترکوں کو نہ صرف یہی کہ آگے بڑھنے سے روکا جائے، بلکہ انھیں یورپ سے نکال دیا جائے تاکہ اسلام عیسائیوں کے مقابلہ میں باقی نہ رہ سکے، حسین پاشا کو

کوپریلی وزیر اعظم تھا، اس نے حالت سنبھالنے کے لئے ملک کا انتظام درست کرنا شروع کیا، حسین پاشا کی مستعدی سے امید ہو چلی تھی کہ بس تھوڑے ہی دنوں میں ترک پھر ترقی کریں گے لیکن شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کو بلا وجہ ایسی عداوت ہوگئی کہ اسے برطرف کرا کے چھوڑا، اس کے بعد مصطفیٰ پاشا وزیر ہوا لیکن اسے بھی شیخ الاسلام نے ہٹوادیا، اور رامی پاشا کو مقرر کرایا جس نے شیخ الاسلام کے چار بیٹوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے لیکن فوج خوش نہ تھی، مگر سلطان نے اسے نہ ہٹایا، نتیجہ یہ ہوا کہ فوج نے خود سلطان کو ہٹا دیا،

(۲۴)

سلطان احمد سوم

مصطفیٰ دوم کے بعد اس کا بھائی احمد تخت پر بیٹھا، شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کو جن کی وجہ سے سارا جھگڑا ہوا تھا، انکشاری فوج نے قتل کر ڈالا، سلطان نے اپنے داماد حسن پاشا کو وزیر اعظم بنایا جس نے پھر سے امن وامان قائم کیا،

روس سے جنگ ہوئی جس میں شاہ روس پطیر اور اس کی ملکہ کیتھرائن دونوں قلعہ میں گھر گئے، لیکن سپہ سالار محمد پاشا نے رشوت لیکر معمولی سا عہدنامہ لکھا کر چھوڑ دیا، سلطان نے اس بے ایمانی پر اسے علیحدہ کر دیا، اور اس کی جگہ یوسف پاشا کو مقرر کیا، اس نے روس سے طے کیا کہ سات برس تک کوئی لڑائی نہ ہوگی لیکن چند ہی مہینے بعد روس نے لڑائی شروع کر دی، مگر چونکہ ہالینڈ اور انگلستان کو اس میں اپنی تجارت کے نقصان کا ڈر تھا اس لئے انھوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرادی، سنہ ۱۷۱۶ء میں مانٹی نگر نے بغاوت کی، علی پاشاہ نے شکست دی، لیکن پھر آسٹریا کے سپہ سالار یوجین کیوجہ سے شکست ہوئی اور بلغراد اور سرویہ

کا ایک بڑا حصہ ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا،

ایران میں میر اشرف نے شاہ طہماسپ کو نکال دیا، اس گڑبڑ کے موقع پر ترکوں نے آرمینیا اور گرجستان کے علاقوں پر قبضہ کرلیا، شاہ طہماسپ نادر شاہ کی مدد سے پھر بادشاہ ہو گیا، اب اس نے اپنے علاقے ترکوں سے واپس مانگے، لیکن سلطان اور وزیر دونوں رنگ رلیاں منارہے تھے، ادھر کون توجہ کرتا، آخر طہماسپ نے بڑھ کر تبریز پر قبضہ کرلیا، اور ترکی فوجوں کو مار کر نکال دیا۔ فوجی سرداروں نے غصہ میں آکر صدر اعظم ابراہیم پاشا کو قتل کر ڈالا، اور ۱۱۴۳ھ میں سلطان کو تخت سے اتار کر اس کے بھتیجے محمود کو بادشا بنایا،

(۲۵)

سلطان محمود اوّل

۱۱۴۳ھ میں تخت پر بیٹھا، یہ بڑا علم دوست اور منتظم تھا، کئی کتب خانے قائم کئے، اس زمانہ میں ایران میں نادر شاہ افشار بادشاہ تھا، اس نے بار بار ٹرکی پر حملے کئے، پہلا حملہ ۱۱۴۹ھ میں ہوا، جس میں صلح ہو گئی، اور طے پایا کہ سلطان مراد کے زمانہ میں دونوں حکومتوں کی جو حدیں تھیں، وہی اب بھی قائم رکھی جائیں، لیکن ۱۱۵۶ھ میں دوسرا حملہ ہوا جس میں ترکوں کو فتح ہو جاتی، لیکن عین وقت پران کا سردار یکین پاشا وفات گیا۔ اس لئے شکست اٹھانی پڑی، اس زمانہ میں روسیوں کو موقع مل گیا، اور انھوں نے آسٹریا کو اپنے ساتھ ملا کر ترکوں پر حملہ کر دیا، لیکن شکست کھائی، اور اس شرط پر صلح کی کہ آسٹریا بلغراد اور روس ازاق ترکوں کو دیدے، اور آیندہ سے بحیرۂ اسود میں کوئی جنگی جہاز نہ رکھے،

۱۱۶۸ھ میں ایک دن سلطان محمود جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس آرہے تھے کہ راستہ میں گھوڑے ہی پر انتقال ہو گیا،

کوپریلی وزیر اعظم تھا، اس نے حالت سنبھالنے کے لئے ملک کا انتظام درست کرنا شروع کیا، حسین پاشا کی مستعدی سے امید ہو چلی تھی کہ بس تھوڑے ہی دنوں میں ترک پھر ترقی کریں گے لیکن شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کو بلا وجہ ایسی عداوت ہو گئی کہ اسے برطرف کرا کے چھوڑا، اس کے بعد مصطفٰے پاشا وزیر ہوا لیکن اسے بھی شیخ الاسلام نے ہٹوا دیا، اور رامی پاشا کو مقرر کرایا جس نے شیخ الاسلام کے چار بیٹوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے لیکن فوج خوش نہ تھی، مگر سلطان نے اسے نہ ہٹایا، نتیجہ یہ ہوا کہ فوج نے خود سلطان کو ہٹا دیا،

(۲۴)

سلطان احمد سوم

مصطفٰے دوم کے بعد اس کا بھائی احمد تخت پر بیٹھا، شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کو جن کی وجہ سے سارا جھگڑا ہوا تھا، انکشاری فوج نے قتل کر ڈالا، سلطان نے اپنے داماد حسن پاشا کو وزیر اعظم بنایا جس نے پھر سے امن وامان قائم کیا،

روس سے جنگ ہوئی جس میں شاہ روس پٹیر اور اس کی ملکہ کیتھرائن دونوں قلعہ میں گھر گئے، لیکن سپہ سالار محمد پاشا نے رشوت لیکر معمولی سا عہد نامہ لکھا کر چھوڑ دیا، سلطان نے اس بے ایمانی پر اسے علیحدہ کر دیا، اور اس کی جگہ یوسف پاشا کو مقرر کیا، اس نے روس سے طے کیا کہ سات برس تک کوئی لڑائی نہ ہوگی لیکن چند ہی مہینے بعد روس نے لڑائی شروع کر دی، مگر چونکہ ہالینڈ اور انگلستان کو اس میں اپنی تجارت کے نقصان کا ڈر تھا اس لئے انھوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی، ۱۱۲۷ھ میں مانٹی نگر نے بغاوت کی، علی پاشاہ نے شکست دی، لیکن پھر آسٹریا کے سپہ سالار اوجین کی وجہ سے شکست ہوئی اور بلغراد اور سرویہ

کا ایک بڑا حصہ ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا،

ایران میں میر اشرف نے شاہ طہاسپ کو نکال دیا، اس گڑبڑ کے موقع پر ترکوں نے آرمینیا اور گرجستان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا، شاہ طہماسپ نادر شاہ کی مدد سے پھر بادشاہ ہو گیا، اب اس نے اپنے علاقے ترکوں سے واپس مانگے، لیکن سلطان اور وزیر دونوں رنگ رلیاں منا رہے تھے، ادھر کون توجہ کرتا، آخر طہماسپ نے بڑھ کر تبریز پر قبضہ کر لیا، اور ترکی فوجوں کو مار کر نکال دیا۔ فوجی سرداروں نے غصہ میں آکر صدر اعظم ابراہیم پاشا کو قتل کر ڈالا، اور ۱۱۴۳ھ میں سلطان کو تخت سے اتار کر اس کے بھتیجے محمود کو بادشاہ بنایا،

(۲۵)

سلطان محمود اوّل

۱۱۴۳ھ میں تخت پر بیٹھا، یہ بڑا علم دوست اور منتظم تھا، کئی کتب خانے قائم کئے اس زمانہ میں ایران میں نادر شاہ افشار بادشاہ تھا، اس نے بار بار ترکی پر حملے کئے، پہلا حملہ ۱۱۴۹ھ میں ہوا، جس میں صلح ہو گئی، اور طے پایا کہ سلطان مراد کے زمانہ میں دونوں حکومتوں کی جو حدیں تھیں، وہی اب بھی قائم رکھی جائیں، لیکن ۱۱۵۶ھ میں دوسرا حملہ ہوا جس میں ترکوں کو فتح ہو جاتی، لیکن عین وقت پر ان کا سردار یکن پاشا وفات گیا، اس لئے شکست اٹھانی پڑی، اس زمانہ میں روسیوں کو موقع مل گیا، اور انھوں نے آسٹریا کو اپنے ساتھ ملا کر ترکوں پر حملہ کر دیا، لیکن شکست کھائی، اور اس شرط پر صلح کی کہ آسٹریا، بلغراد اور روس ازاق ترکوں کو دیدے، اور آیندہ سے بحیرۂ اسود میں کوئی جنگی جہاز نہ رکھے،

۱۱۶۸ھ میں ایک دن سلطان محمود جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں گھوڑے ہی پر انتقال ہو گیا،

(۲۶)

سلطان عثمان سوم

عثمان بھی سلطان مصطفیٰ دوم کا بیٹا تھا بھائی کے انتقال کے بعد تخت پر بیٹھا اور تین برس کے بعد ۱۱۷۱ھ میں وفات پائی، اس کے زمانہ میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔

(۲۷)

سلطان مصطفیٰ سوم

سلطان عثمان کے بعد سلطان احمد سوم کا لڑکا سلطان مصطفیٰ سوم کے نام سے بادشاہ ہوا اس کے زمانہ میں روس نے پھر زور باندھا، اور آسٹریا اور پرشیا کو لیکر لڑائی شروع کر دی، اس کے ساتھ ہی اپنی ترکیب سے ادھر اُدھر بغاوت بھی شروع کرادی، مصر کے گورنر علی بک پر اس کا بہت اثر پڑا، اس نے دمشق اور بیت المقدس وغیرہ فتح کرکے ارادہ کیا کہ اناطولیہ پر بھی حملہ کرے کہ اتنے میں مصر کا ایک شخص امیر محمد بک ابوذہب کھڑا ہوگیا، اور علی بک کا سر کاٹ کر ۱۱۸۷ھ میں قسطنطنیہ بھیج دیا۔

روس سے صلح کی بات چیت کی گئی، لیکن اس نے شرطیں ایسی سخت لگائیں کہ سلطان کسی طرح راضی نہ ہو سکا، ان فکروں کا سلطان پر ایسا اثر پڑا کہ ۱۱۸۸ھ میں انتقال کر گیا،

(۲۸)

سلطان عبدالحمید اوّل

سلطان مصطفےٰ کے بعد اس کا بھائی عبدالحمید اوّل خلیفہ ہوا، یہ اگرچہ نیک مزاج اور پرہیز گار تھا، لیکن حکومت کے کاموں سے بالکل ناواقف تھا، صدر اعظم خلیل پاشا اور خواجہ یوسف کی ہمت وتدبیر نے کچھ کام کیا، لیکن سلطنت پہلے ہی سے کمزور تھی، خلیفہ کی کمزوری اور بے سمجھی نے اسے اور کمزور کردیا، مصر و ایران کے جھگڑے تو کسی نہ کسی طرح دبا دیئے گئے لیکن روس کا زور نہ ٹوٹ سکا، اور کریمیا کی ریاست بھی ہاتھ سے جاتی رہی، آخر مجبوراً ان ہی شرطوں پر صلح کرنی پڑی، جو سلطان مصطفےٰ سوم کے زمانہ میں نامنظور کی جاچکی تھیں، اس طرح کریمیا کے علاوہ گرجستان، چرکس اور قلعہ ازاق پر روس کے قبضہ میں چلے گئے، ۱۲۰۳ھ میں سلطان حمید کا انتقال ہوگیا،

(۲۹)

سلطان سلیم ثالث

عبدالحمید اوّل کے بعد مصطفیٰ سوم کا لڑکا سلیم بادشاہ ہوا، اس وقت ملک عجب ابتری کی حالت میں تھا، فوج بے قابو تھی، ملک کے اندر بغاوتیں ہو رہی تھیں، باہر کی سلطنتیں دانت لگائے ہوئے تھیں، روس و آسٹریا تو پہلے ہی سے دشمن تھے، اب فرانس سے بھی لڑائی شروع ہوگئی آسٹریا اور روس سے تو خیر لڑتے بھڑتے صلح ہوگئی، جس میں ترکوں کو تھوڑا بہت فائدہ ہوا یعنی آسٹریا سے

بلغاریہ اور سرویہ واپس مل گیا، اور پہلی حد باقی رہی، لیکن پنولین (فرانسیسی جنرل) سے کافی معرکے رہے، وہ تو کہو انگریز اور روسی بھی فرانس کے دشمن تھے، اس لئے وہ بھی ترکوں کے ساتھ شریک ہو گئے ورنہ بڑی مشکل ہوتی، ان لوگوں کی مدد سے بڑا فائدہ پہنچا، اسی درمیان میں خود فرانس نے اسٹریا سے شکست کھائی، اور سارے ملک میں گڑبڑ مچ گئی، پنولین پہلے ہی پریشان تھا، یہ خبر سنی تو اور گھبرا گیا، اور راتوں رات چھپ کر فرانس چل دیا، وہاں حکومت کا طریقہ بدل گیا، اور خاندانی اور شخصی حکومت کی جگہ جمہوری[۱] حکومت قائم ہو گئی، اور پنولین اس کا صدر بنایا گیا، اب فرانس کی روش بدل گئی، پنولین نے ترکی حکومت کو لکھا کہ روس اور انگریز ترکوں کے دشمن ہیں، روس یونان پر قبضہ کر چکا ہے، اور انگریز مصر کی فکر میں ہے، ترکوں کو چاہیئے کہ پہلے کی طرح فرانس سے دوستی رکھیں، اسی میں ان کا فائدہ ہے، ترکوں کی بھی یہی رائے تھی، لہٰذا معاملہ طے ہو گیا، اور ایک نیا عہد نامہ لکھ دیا گیا، جس میں فرانس نے مصر اور یونان پر ترکی حکومت مان لی، اور ترکوں نے اپنی سلطنت میں پہلے کی طرح فرانس کو تجارت کا حق دیدیا،

سلطان سلیم بڑا سمجھدار بادشاہ تھا، اس نے دیکھا کہ جب تک فوج درست نہ ہو گی، یونہی حالت تباہ رہے گی اس لئے اس طرف توجہ کی جنگی مدرسے قائم کئے، ترکی زبان میں جنگ کے متعلق کتابیں تیار کرائیں، جنگی جہاز بنوائے، توپیں ڈھالنے کے کارخانے قائم کئے، لیکن افسوس اسے زیادہ موقع نہ ملا، انکشاری فوج اور دوسرے امیروں نے اپنا اثر کم ہوتے دیکھا، تو بغاوت کر دی پہلے نئے وزیروں کو قتل کرایا، پھر خود سلطان کو تخت سے اتار دیا، (۱۲۲۲ھ)

---

[۱] شخصی حکومت میں رعایا کو کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ سارا اختیار بادشاہ کو ہوتا ہے، جب وہ مر جاتا ہے تو پھر اس کے خاندان کا کوئی آدمی گدی پر بیٹھ جاتا ہے لیکن جمہوری حکومت میں رعایا بادشاہ منتخب کرتی ہے، جو صدر کہلاتا ہے اور رعایا کے منتخب کردہ ممبروں کی صلاح سے حکومت کرتا ہے۔

(۳۰)

سلطان مصطفیٰ چہارم

سلطان سلیم کی جگہ سلطان عبدالحمید اوّل کے لڑکے مصطفیٰ کو تخت پر بٹھایا گیا، اس نے بادشاہ ہوتے ہی، سلطان سلیم کے زمانہ کی تمام اصلاحات (یعنی ساری اچھی اور عمدہ باتیں اور مناسب قاعدے) واپس لے لیں، اور پھر وہی پرانی . . . چال شروع ہو گئی، اس وقت روس سے جنگ ہو رہی تھی، خبر پہنچی تو انکشاری بہت خوش ہوئے، صدرِ اعظم حلمی پاشا نے افسوس کیا، تو انہیں بھی مار ڈالا، وہ تو کہو روس نپولین سے لڑ رہا تھا ورنہ معلوم نہیں ترکی پر کیسی تباہی آتی، لیکن روس نپولین سے ہار گیا، اور مجبوراً ترکوں سے صلح کرنی پڑی، اس کے بعد روس نے چپکے سے نپولین سے طے کر لیا کہ دونوں مل کر ترکی سے لڑیں، اور سارا ملک آپس میں بانٹ لیں ادھر ترکی کی حالت بالکل تباہ تھی، وہ تو اللہ نے خیر کی کہ معزول سلطان سلیم کے زمانہ کے چار پانچ آدمی باقی رہ گئے تھے، وہ فوج لیکر قسطنطنیہ آئے کہ سلطان کو پھر بادشاہ بنا دیں، لیکن یہاں پہنچے تو سلطان سلیم قتل ہو چکے تھے۔ مجبوراً سلطان عبدالحمید کے لڑکے محمود کو تخت پر بٹھا دیا، (۱۲۲۳ھ)

(۳۱)

سُلطان محمود ثانی

محمود نے علم دار مصطفےٰ کو جس کی کوشش سے یہ سارا انقلاب ہوا تھا، صدر اعظم بنایا اور سلطان سلیم کی فوجی اصلاحات پھر جاری کر دیں، انکشاریہ نے پھر بغاوت کی، اور صدر اعظم علمدار مصطفےٰ کو قتل کر دیا، مجبوراً سلطان نے اصلاحات واپس لے لیں، روس نے پھر چڑھائی کی، اور زبردستی دوسرا معاہدہ لکھوایا، جس کے بعد ٹرکی کا فی علاقہ روس کے قبضہ میں چلا گیا، یہ حالت دیکھ کر یونان نے بھی ہاتھ پیر نکالے اور انگلستان روس، اور فرانس کی مدد سے جنگ شروع کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بھی ترکوں کے ہاتھوں سے نکل گیا، الجزائر پر فرانس نے قبضہ کر لیا، سرویہ روس کی مدد سے آزاد ہو گیا، غرض کہ حالت روز بروز خراب ہونے لگی، اس عام تباہی کے زمانہ میں عرب سے ایک امید کی کرن پھوٹی، اور آس بندھی کہ اب پھر دنیا کا نور دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے گا، یاد ہوگا کہ عرب پہلے کچھ نہ تھے، لیکن اسلام کے اثر سے انہی عربوں نے چند برس میں ساری دنیا کو ہلا ڈالا، بعد کو عباسیوں کے زمانہ میں ایسی صورتیں پیش آئیں کہ وہ دھیرے دھیرے حکومت سے الگ ہو گئے، اس کے بعد سے پھر وہ الگ ہی رہے، رفتہ رفتہ اُن سے دینی اثر بھی کم ہونے لگا، اور وہ شرک و بدعت اور دوسری برائیوں میں مبتلا ہو گئے، اس زمانہ میں وہاں ایک بزرگ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ پیدا ہوئے، انھیں یہ حالت دیکھ کر سخت رنج ہوا، انہوں نے خیال کیا کہ اگر کسی طرح دینی رنگ پھر پیدا ہو جائے،

تو یہی عرب ساری دنیا میں پھر اجالا پھیلا سکتے ہیں، یہ سوچ کر انھوں نے وعظ و نصیحت شروع
کی، چند ہی دنوں کی کوشش سے پھر عربوں میں دینی حرارت اور مذہبی جوش پیدا ہو گیا، اور وہ
اللہ و رسول کے نام پہ زندگیاں قربان کرنے لگے، اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ اسلام کا ایسا اثر ہے کہ
اس پر عمل کرتے ہی دین و دنیا میں ہر قسم کی ترقی کے دروازے کھل جاتے ہیں، چنانچہ ابھی وہی جاہل
اور وہی جاہل و وحشی بدو ایسی ترقی کر گئے کہ انھوں نے نجد میں اپنی ایک اچھی خاصی حکومت قائم کر لی،
اس کے بعد ساری دنیا کو اسی رنگ میں رنگنے کے لئے آگے بڑھے سب سے پہلے مکہ مدینہ کا ارادہ کیا کیونکہ
یہی مسلمانوں کے مرکز تھے، اگر یہاں اصلاح ہو جائے، تو پھر ساری دنیا درست ہو جائے، چنانچہ انھوں
نے حجاز پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد عراق و شام کی طرف بڑھے، اب سلطان کو کھٹکا ہوا، کہ کہیں یہ لوگ
ساری سلطنت پر قبضہ نہ کر لیں، اس لئے عراق کے حاکم کو لکھا کہ ان کا مقابلہ کریں، لیکن اس سے
کچھ نہ ہو سکا، تو عراق و شام اور جدہ کے حاکموں نے مل کر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔
اب سلطان محمود نے مصر کے صوبہ دار محمد علی پاشا کو حکم بھیجا، اور کہا کہ کامیابی کے بعد نجد کا
کا علاقہ بھی اسی کی ماتحتی میں دیدیا جائے گا، محمد علی پاشا نے بہتیرا زور لگایا، لیکن جب تک
نجدیوں کا سردار سعود بن عبدالعزیز زندہ رہا، کچھ نہ ہو سکا، سعود کے مرنے کے بعد نجدی سرداروں کو
روپیہ دے کر ملا لیا، اس طرح عربوں کو شکست ہوئی، ان کا سردار عبداللہ بن سعود پکڑ کر قسطنطنیہ
روانہ کیا گیا، جہاں قتل کر دیا گیا، اس کے بعد محمد علی پاشا کی ہمت بہت بڑھ گئی، مصر پر تو اس کا
قبضہ تھا ہی، اب شام کا بھی ارادہ کیا، کئی لڑائیاں ہوئیں، آخر روس کی مدد سے کہیں یہ قصہ ختم ہوا
لیکن محمد علی کو مصر اور اس کے بیٹے ابراہیم شاہ کو جزیرۂ کریٹ کا حاکم ماننا ہی پڑا،

انکشاری فوج کے متعلق تو کئی جگہ پڑھ چکے ہو کہ کیسے شریر اور سرکش تھے، وہ اصلاحات
کے سخت مخالف تھے، کیونکہ اس میں ان کا نقصان تھا، سلطان سلیم کو اسی وجہ سے تخت سے

آتارا۔ سلطان محمود کے وزیر اعظم علمدار مصطفےٰ کو اسی لئے قتل کیا، مجبوراً سلطان محمود کچھ دن کیلئے رک گیا تھا، لیکن آخر اصلاحات تو ضروری ہی تھیں، سلطان نے پھر ارادہ کیا کہ انھیں جاری کرے، لیکن انکشاریہ نے پھر مخالفت کی، وزیروں، امیروں کا کیا ذکر ہے، خود شاہی محل لوٹ لیا سلطان کے قتل میں کوئی کسر نہ رہ گئی تھی، لیکن عین وقت ایک تدبیر سمجھ میں آگئی، یاد ہوگا کہ جب ترکوں کو خلافت ملی تھی تو اس کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چادر، تلوار اور علم بھی ملا تھا، اس موقع پر جب سلطان محمود بالکل گھر گیا، تو حضورؐ کے اسی علم (جھنڈا) کو نکالا، اسے دیکھ کر لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہوگئے۔ سلطان نے ان کی مدد سے انکشاری فوج کو قتل کرایا، پھر تمام صوبوں میں ان کی علٰحدگی کا حکم بھیجدیا، اس طرح اس سرکش اور بے قابو فوج سے چھٹی ملی۔

سنہ ۱۲۵۵ھ میں سلطان محمود نے وفات پائی، ترکی ٹوپی اسی کے زمانہ سے نکلی،

(۳۳)

سلطان عبدالمجید اوّل

سلطان محمود کے بعد اس کا بیٹا عبدالمجید بادشاہ ہوا، روس سے تو برابر لڑائی رہا ہی کرتی تھی، اس کے زمانہ میں بھی ایک جنگ ہوئی، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں صلح ہوگئی جس میں اناطولیہ کا روسی قلعہ قرص ترکوں کو دیا گیا، اور ترکی مقام اسیباسٹوپول روس کو ملا، حاکم مصر محمد علی پاشا کے متعلق اوپر پڑھ چکے ہو، سلطان عبدالمجید کے زمانہ میں پھر مقابلہ ہوا، آخر مصر کی حکومت ہمیشہ کے لئے محمد علی اور اس کی اولاد کو دیدی گئی،

سنہ ۱۲۷۷ھ میں سلطان نے وفات پائی،

(۳۳)

سلطان عبدالعزیز

عبدالمجید کے بعد اس کا بھائی عبدالعزیز تخت پر بیٹھا، اس کے وقت میں عالی پاشا صدر اعظم تھا، انھوں نے بہت اچھا انتظام کیا، فوج درست کی، بیڑہ کو ایسی ترقی دی کہ دنیا میں دوسرے نمبر پر سمجھا جانے لگا، لیکن ان کے مرتے ہی پھر وہی خرابیاں شروع ہوگئیں، کچھ دن لوگوں نے صبر کیا، لیکن جب سلطان کی غفلت کا وہی حال رہا تو امرا نے آپس میں صلاح کر کے اسے تخت سے اتار کر قید کر دیا، جہاں اس نے خودکشی کر لی،

(۳۴) سلطان مراد پنجم (۳۵) سلطان عبدالحمید ثانی

سلطان عبدالعزیز کے بعد ۱۲۹۳ھ میں سلطان عبدالحمید اول کا لڑکا مراد تخت پر بٹھایا گیا، لیکن ایک ہی ہفتہ کے بعد دماغ خراب ہوگیا، تین مہینے تک علاج ہوتا رہا۔ لیکن جب حالت درست نہ ہوئی تو مجبوراً اس کے دوسرے بھائی کو عبدالحمید دوم کے نام سے تخت پر بٹھایا گیا۔

یہ زمانہ بڑا ہی سخت تھا، سلطنت کی ساکھ گر چکی تھی، چاروں طرف دشمنوں کا زور تھا، خود ملک کے اندر گڑبڑ مچی ہوئی تھی، اس موقع پر نوجوان ترکوں نے مدحت پاشا، انور بے اور شوکت پاشا

کی رہنمائی میں دستوری حکومت[1] پر زور دینا شروع کیا، آخر سلطان نے مجبور ہو کر اسے منظور کر لیا،
لیکن اس کے بعد بھی یورپ کا وہی رویہ رہا، روس تو ہمیشہ سے دشمن تھا، اب کی پھر اس نے چڑھائی کی اور
روسی فوجیں پلونا تک آ گئیں، لیکن غازی عثمان پاشا نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، روس کو شکست
ہونے ہی والی تھی کہ ایک لاکھ فوج اور آ گئی، غازی عثمان پاشا کے سر میں گولی لگی اور گرفتار ہو کے زار (روس)
کے سامنے پیش ہوئے، تو اس نے کہا اگر تمھاری تلوار روس کے خلاف پھر کبھی نہ اٹھے، تو تم چھوڑ دیئے
جاؤ، شیر پلونا (غازی عثمان پاشا) نے جواب دیا کہ اگر سلطان کا حکم ہوگا تو ایک بار نہیں، ہزاروں
بار یہی تلوار آپ کے خلاف اٹھے گی، زار روس پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس نے انھیں یونہی چھوڑ دیا،
بہرحال جوں توں لڑائی ختم ہوئی، لیکن اس جنگ میں ترکوں کو بڑا نقصان پہنچا اور کافی ملک ان کے ہاتھ سے نکل گیا،

روس کے علاوہ قبرص پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا، اور مصر کو اپنی نگرانی میں لے لیا، بیچارے اعرابی
پاشا نے بڑا زور لگایا لیکن کچھ نہ ہو سکا، سوڈان کے لئے مہدی سوڈانی نے جان توڑ کوشش کی پہلے
انگریزوں کو شکست بھی ہوئی، لیکن آخر میں لارڈ کچنر نے قبضہ کر ہی لیا، بیچارے مہدی کی قبر کھودی
گئی، اور ہڈیاں تک نکال کر پھینک دی گئیں، ٹیونس پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔

ملک کی یہ حالت دیکھ کر ۱۳۲۸ھ میں لوگوں نے سلطان عبدالحمید کو تخت سے اتار دیا۔

[1] اس میں بھی جمہوری حکومت کی طرح عام رعایا کے مشورہ سے حکومت ہوتی ہے، صرف بادشاہ خاندانی ہوتا ہے،
انگلستان میں بھی یہی طریقہ ہے، اسی کو پارلیمنٹری حکومت کہتے ہیں،

(۳۶)

سلطان محمد پنجم

سلطان عبدالحمید کے بعد ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں اس کے بھائی محمد کو تخت پر بٹھایا گیا، اس وقت نہ فوج کی حالت درست تھی، نہ ملک کا انتظام ٹھیک تھا، نہ خزانہ میں کچھ باقی تھا، اس کمزوری کی وجہ سے اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کر لیا، ابھی یہ قصہ ختم نہ ہوا تھا کہ بلقان کی لڑائی چھڑ گئی اور کوشش ہونے لگی کہ ترکوں کو یورپ سے نکال دیا جائے، اس وقت مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا، ہمارے ہندوستان میں بھی پہلے طرابلس اور پھر بلقان کے معاملہ میں بڑا زور دار کافی ہلچل رہی، مولانا شبلیؒ نے ایک بڑی زوردار نظم لکھی، مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام نے اپنی پرجوش تحریروں اور دل ہلا دینے والی تقریروں سے سارے ہندوستان میں آگ لگا دی۔ لاکھوں روپے کی امداد کے علاوہ زخمیوں کی دیکھ بھال اور ان کے علاج اور مرہم پٹی کے لئے ڈاکٹر انصاری کے ساتھ کتنے آدمی روانہ ہوئے، جنھوں نے بڑی محنت سے مریضوں اور زخمیوں کی خدمت کی۔

جنگ جرمنی یا جنگِ عظیم

بلقان کی لڑائی ختم ہی ہوئی تھی کہ ۱۳۳۲ھ مطابق اگست ۱۹۱۴ء میں جنگ جرمنی شروع ہوئی، اس وقت حالات کچھ ایسے تھے کہ ۱۳۳۶ھ میں اپنی مرضی کے خلاف اس لڑائی میں شریک ہونا پڑا، جنگ ہو رہی تھی کہ ۱۳۳۶ھ میں سلطان محمد پنجم نے وفات پائی۔

(۳۷)

سلطان عبدالوحید

محمد پنجم کے بعد سلطان عبدالوحید تخت پر بیٹھا، ۱۰ اگست ۱۹۱۸ء، ۱۳۳۶ھ کو جرمنی اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی، ترک بھی جرمنی کے ساتھ تھے، اس لیے ان پر بھی اس کا اثر پڑا اور اکثر کیا ساری سلطنت ہی ختم کردی گئی، اتحادی یعنی انگریزوں اور ان کے ساتھیوں نے ساری سلطنت آپس میں بانٹ لی، حجاز، عراق، اور فلسطین انگریزوں نے لے لیا، شام فرانس کے قبضہ میں آیا، ایشیائے کوچک یونان کو ملا، اور قسطنطنیہ اور آبنائے سب کی ملکیت قرار پائے، صرف نام کے لئے ترکوں کو باقی رکھا،

بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ترک ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا نوجوان ترک مصطفےٰ کمال پاشا، رؤف بے، ڈاکٹر عدنان وغیرہ کسی طرح بچ کر نکل آئے اور

تھوڑی سی فوج جمع کر کے جنگ شروع کر دی، خلیفہ عبدالوحید سے اتحادیوں نے حکم لکھوایا کہ مصطفےٰ کمال وغیرہ باغی ہیں اور قتل کے مستحق ہیں، لوگوں نے جو یہ حالت دیکھی تو اعلان کر دیا کہ ہم نہ عبدالوحید کو خلیفہ مانتے ہیں، نہ اس کی حکومت صحیح حکومت ہے، اس کے بعد لڑائی جاری رہی، آخر خدا کے فضل سے ان لوگوں کو کامیابی ہوئی، یونان نے شکست کھائی اور سارے ایشیائے کوچک پھر ترکوں کے ہاتھ میں آ گیا، ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو قسطنطنیہ پر بھی قبضہ ہو گیا، سلطان عبدالوحید بھاگ کر انگریزوں کی پناہ میں مالٹا چلا گیا۔

(۳۸)

سلطان عبدالمجید دوم

عبدالوحید کے بعد سلطان عبدالمجید خلیفہ بنایا گیا، لیکن سلطنت کے سارے اختیارات مصطفےٰ کمال کو دیدیے گئے، حکومت دستوری کے بجائے جمہوری ہو گئی، اور مصطفےٰ کمال اسکے صدر قرار پائے۔

مصطفےٰ کمال

مصر کے عباسی خلفاء کے بارے میں پڑھ چکے ہو کہ تھے تو وہ خلیفہ اور مرتبہ میں بادشاہ سے بڑے لیکن اختیارات بالکل نہ تھے، یہی حال سلطان عبدالمجید کا تھا کہ بنا تو دیے گئے خلیفہ لیکن سارے انتظامی اختیارات مصطفےٰ کمال کے ہاتھ میں رہے، کچھ دن کسی طرح یہ شکل چلتی رہی، لیکن چند مہینوں کے بعد یہ عہدہ فضول اور تکلیف دہ سمجھ کر توڑ دیا گیا، اور خلیفہ کی دینی حیثیت بھی ختم ہو گئی، سلطان عبدالمجید ملک سے نکال دیے گئے اور یورپ جا کر سوئزرلینڈ میں رہنے لگے، ریاست

حیدر آباد اور بھوپال کی طرف سے کچھ رقم مقرر ہوگئی، جس سے ان کا گزر ہوتا ہے ۱۹۳۱ء میں نظام حیدر آباد کے صاحبزادے شاہزادہ اعظم اور شاہزادہ معظم یورپ گئے، سلطان عبدالمجید کی صاحبزادیوں دُرِّ شاہوار اور عزیزہ نیلوفر سے ان کی شادی ہوگئی، اور یہ شاہزادیاں رخصت ہوکر ہندوستان آگئیں اور آج کل حیدر آباد کے شاہی محل میں تشریف رکھتی ہیں،

مصطفےٰ کمال مستقل طور سے جمہوریہ ترکیہ کے صدر مقرر ہوگئے، اور آج تک اپنے عہدہ پر قائم ہیں، تقریباً ۱۵ سال انھوں نے صدارت کے فرائض انجام دیئے، اور ترکی قوم کو اپنی سمجھ کے مطابق چلاتے رہے، مصطفیٰ کمال فوجی آدمی تھے، ان کی جمہوری حکومت میں بھی ایک طرح کا فوجی انداز تھا، انکے زمانہ میں ان کی "خلق پارٹی" کے سوا اور کسی پارٹی کو انتخاب میں حصہ لینے اور حکومت کے کاموں میں دخل دینے کا حق نہیں تھا، ایک طرح کی ڈکٹیٹر شپ تھی، ان کی پارٹی کے لوگ بھی ان ہی کی رائے پر چلتے تھے، مصطفیٰ کمال نے ترکوں کو غلامی سے بچایا، قوم کو بہت سے فائدے پہنچائے، لیکن ان کی ڈکٹیٹر شپ سے نقصان بھی خاصا پہنچا، یہ سچ ہی کہ ترکوں کے غلط رواج سے بہت سی قسم کے دستور ختم ہوئے، اور ان کی کمزوریاں دور ہوگئیں، مگر انھوں نے بہت سی کاروائیوں سے ترکوں کو نقصان بھی پہنچایا، خلافت کے خاتمہ سے ترکی کی مرکزیت ختم ہوگئی، اور ساری دنیا کے مسلمانوں کا رابطہ کمزور ہوگیا، عربی خط کی جگہ رومن خط کے رواج سے بھی ایک طرف عالم اسلام کے ساتھ تعلقات کو ٹھیس لگی دوسری طرف ترکی ادب کے پرانے خزانوں سے نئی نسل کا تعلق نہ رہا، اندھا دھند مغربی تقلید نے بھی قوم کے ذہن پر ناگوار اثر ڈالا،

مصطفےٰ کمال کے انتقال کے بعد چند برس تک ان کے ساتھی اسی طرز پر کام کرتے رہے، بعد کو پھر عام انتخابات کی اجازت ملی، اور دوسری پارٹی کو حکومت کرنیکا موقع ملا، لیکن چند ہی برس میں فوجی انقلاب ہوگیا، پرانے عہدہ دار گرفتار کرلئے گئے، وزیر اعظم کو پھانسی کی سزا ملی نئے فوجی صدر مصطفیٰ کمال کے پرانے ساتھی

آٹھواں باب
ہندوستان

اب تک تمھاری بادشاہی کے جو مسلسل واقعے ہم تم کو سناتے رہے، اُس میں خود تمھارے ملک ہندوستان کا حال گویا نہیں آیا، خیال یہ تھا کہ دوسرے ملکوں کا حال سنانے کے بعد ایک دفعہ جی بھر کے تم کو تمھارے ملک کا حال سنائیں گے،

ہندوستان اور ملک عرب کے بیچ میں صرف ایک سمندر ہے جس کو ہند اور عرب کا سمندر کہتے ہیں، اسی سمندر کے راستے سے دونوں ملکوں میں بہت زمانہ سے تجارتی آمدو رفت قائم تھی، پھر جب مسلمانوں نے عراق اور فارس کا ملک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایران والوں سے لے لیا، تو ہندوستان کے صوبہ سندھ اور ایران کے صوبہ سیستان کے ڈانڈے بالکل مل گئے، مسلمانوں کی سلطنت سے مجرم بھاگ کر سندھ آجاتے اور حکومت کو دق کرتے، اور سندھ کا راجہ ان کی روک تھام نہیں کرتا تھا، سندھ اور کاٹھیاواڑ میں دریائی ڈاکو رہتے تھے، جو مسلمانوں کے جہازوں پر ڈاکے ڈالتے تھے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بحرین کے ایک والی نے گجرات اور کاٹھیاواڑ پر دریا کے راستہ سے حملے کیے، حضرت علیؓ کے زمانہ میں سیستان کی

طرف سے کچھ مسلمانوں نے پیش قدمی کی۔ بنو امیہ کی حکومت جب ہوئی، اور عراق، ایران اور ترکستان کا نائب (وایسرائے) قبیلۂ ثقیف کا ایک مشہور سردار اور سپہ سالار حجاج بن یوسف جس کو عام طور پر حجاج ثقفی کہتے ہیں، مقرر ہوا اس کے زمانہ میں سندھ کے ڈاکوؤں نے مسلمانوں کے ایک جہاز پر ڈاکہ ڈالا، اور مسلمان عورتوں کو پکڑ لے گئے، اس پر حجاج نے خشکی اور تری دونوں طرف سے سندھ پر حملہ کیا۔ اس حملہ کا افسر اس نے اپنے ایک بھتیجے محمد بن قاسم کو جو فارس میں رہتا تھا، بنایا، محمد ابن قاسم اس وقت اٹھارہ ۱۸ برس کا نوجوان تھا، مگر وہ جرأت، بہادری، اور عقل و دانائی میں بڑوں کا مقابلہ کرتا تھا، محمد نے سیستان کی راہ سے آکر سندھ پر حملہ کیا، اور عراق سے مسلمانوں کی دوسری فوج دریا کے راستہ سے آکر دوسری طرف سے سندھ پر حملہ آور ہوئی، مسلمانوں اور سندھ کے راجہ میں کئی لڑائیاں ہوئیں، آخر مسلمانوں نے سندھ اور ملتان کا ملک لے لیا، اور یہاں خود حکومت کرنے لگے،

یہ واقعہ سنہ ۹۳ھ مطابق سنہ ۷۱۱ء میں ولید بن عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں گذرا، اور اس وقت سے لے کر معتصم عباسی کی خلافت کے زمانہ تک خلیفہ کی طرف سے کوئی حاکم آکر یہاں حکومت کرتا تھا، معتصم کے بعد جب بغداد میں مسلمانوں کی سلطنت کمزور ہو چلی، تو سندھ اور ملتان کے مسلمان حاکموں نے اپنی خود مختار ریاستیں یہاں قائم کرلیں، جو سینکڑوں برس تک کسی نہ کسی طرح چلتی رہیں،

چوتھی صدی کے آخر میں افغانستان کے شہر غزنہ میں جب ایک مسلمان ترک غلام سبکتگین نے اپنی سلطنت قائم کی، تو پنجاب کے راجہ سے اس کی سرحدی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی، جو رفتہ رفتہ بڑھ گئی، سبکتگین کے بعد اس کا بیٹا، سلطان محمود غزنوی تخت پر بیٹھا، تو اس نے ملتان اور سندھ کے مسلمان حاکموں سے لڑ کر ان صوبوں پر قبضہ کر لیا، پنجاب کے راجہ سے

جس نے اس کو ملتان جانے کا راستہ نہیں دیا تھا، لڑا اور لڑ کر پنجاب کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا، پھر کاٹھیاواڑ میں سومنات نام ایک شہر پر جو سمندر کے کنارہ تھا، اور جہاں ہندوؤں کا ایک مشہور مندر تھا، بڑی بہادری سے ریگستان کو عبور کر کے چڑھائی کی، اور بت کو توڑ ڈالا اور اس صوبہ کی حکومت کو وہاں کے اصلی ہندو راجہ کے سپرد کر کے واپس چلا آیا،

سلطان محمود نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور ہر حملہ میں اس نے کوئی نہ کوئی شہر فتح کیا، لیکن اس نے اپنی سلطنت، سندھ، ملتان اور پنجاب تک محدود رکھی، اور اس کا صدر مقام شہر لاہور کو بنایا، محمود سنہ ۴۲۱ھ میں غزنی میں مر گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان مسعود نے پھر ایک کے بعد ایک کر کے غزنین کے کئی بادشاہوں نے اس ملک پر حکومت کی، وہ اکثر غزنین میں اور کبھی کبھی لاہور میں رہتے تھے،

غزنوی بادشاہ

۱	سبکتگین	سنہ ۳۶۷ھ سے سنہ ۳۸۷ھ تک
۲	سلطان محمود	سنہ ۳۸۷ھ سے سنہ ۴۲۱ھ تک
۳	سلطان مسعود	سنہ ۴۲۱ھ سے سنہ ۴۳۲ھ تک
۴	سلطان مودود	سنہ ۴۳۲ھ سے سنہ ۴۴۱ھ تک
۵	سلطان علی بن مسعود،	سنہ ۴۴۱ھ سے سنہ ۴۴۲ھ تک
۶	سلطان فرخ زاد،	سنہ ۴۴۲ھ سے سنہ ۴۵۰ھ تک
۷	سلطان ابراہیم،	سنہ ۴۵۰ھ سے سنہ ۴۹۲ھ تک
۸	سلطان مسعود ثانی	سنہ ۴۹۲ھ سے سنہ ۵۰۸ھ تک

۹ - ارسلان شاہ، ۵۰۹ھ سے ۵۱۲ھ تک

۱۰ - بہرام شاہ، ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک

۱۱ - خسرو شاہ، ۵۴۷ھ سے ۵۵۵ھ تک

۱۲ - خسرو ملک، ۵۵۵ھ سے ۵۸۲ھ تک

۵۸۲ھ میں یہ سلطنت ختم ہوگئی، واقعہ یہ ہوا کہ غزنین سے کچھ دور غور کا پہاڑی ملک تھا یہاں کے لوگوں نے آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا، آخر بہرام شاہ کے زمانہ میں غور کے امیروں کی طاقت بہت بڑھ گئی اور غزنویوں کو غزنین سے بھاگ کر لاہور جانا پڑا، چنانچہ آخر کے غزنوی بادشاہوں نے یہیں حکومت کی، غوریوں نے پہلے غزنین پر قبضہ کیا۔

پھر ہندوستان پر حملہ کر کے ان سے ہندوستان کی حکومت بھی چھین لی، اور ۵۸۲ھ میں خسرو ملک سے لاہور لے لڑتے بھڑتے لیکر ہندوستان کو اپنے ماتحت کر لیا۔

اب غزنوی کے بعد غوری خاندان شروع ہوا، سلطان شہاب الدین نے ہندوستان پر چڑھائی کی، (۵۸۹ھ / ۱۱۹۳ء) میں دہلی اجمیر اور قنوج کے راجوں کو شکست ہوئی اور گنگا کے کنارے سے پیشاور تک اسلامی حکومت قائم ہوگئی، شہاب الدین خود تو ہندوستان میں نہ رہا لیکن اپنے غلام قطب الدین کو یہاں نائب مقرر کر تا گیا، یہی قطب الدین ہے جس سے ہندوستان میں ایسی اسلامی حکومت کی ابتدا ہوئی، جو سات سو برس تک قائم رہی۔

قطب الدین خود غلام تھا، اس کے بعد کے بادشاہ بھی ایسے ہی تھے اس لئے تاریخ میں یہ خاندان غلام خاندان کے نام سے مشہور ہے، اس میں ویسے تو چھوٹے بڑے سب ملا کر دس بادشاہ ہوئے، لیکن قطب الدین کے علاوہ التمش، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن تین بہت مشہور ہوئے ہیں، سلطنت قطب الدین کے زمانہ ہی میں پورب کی طرف

بنگال اور دکھن کی طرف سندھ و مالوہ تک پہنچ گئی تھی، بعد کو شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں اور عروج ہوا۔ اور ہندوستان کے سارے اچھے اچھے علاقے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔

بلبن کے بعد کوئی ویسا سمجھ اور ہمت والا اس خاندان میں نکلا، کیقباد تخت پر بٹھایا گیا لیکن اس نے ایسی رنگ رلیاں منائیں کہ تین ہی برس کے بعد خلجی خاندان کے ایک امیر جلال الدین نے سلطنت پر قبضہ کرلیا، (۶۹۷ھ / ۱۲۹۰ء) جلال الدین کے بعد اس کا بھتیجا علاء الدین خلجی بادشاہ ہوا اور بیس برس تک بڑے رعب و داب سے حکومت کی، اس کے زمانہ میں سارے ہندوستان پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی، اسلامی فوجوں نے بندھیاچل سے اتر کر دکن پر حملہ کیا اور انجوں مہاراجوں کو شکست دیتے ہوئے راس کماری تک پہنچ گئیں،

علاء الدین اگرچہ مزاج کا سخت تھا، لیکن انتظام کا بڑا پکا تھا، سارے ملک میں امن تھا، اور ہر طرف خوشحالی پھیلی ہوئی تھی، اس کے بعد پھر خلجیوں میں کوئی ایسا زوردار بادشاہ نہ ہوا، بلکہ غضب یہ ہوا کہ خسرو نامی ایک نام کا مسلمان غلام سلطنت کا مالک ہوگیا، اس نے وہ وہ ظلم کئے کہ خدا کی پناہ، مسجدیں اور قرآن مجید تک بے حرمتی سے بچ نہ سکے۔ اس حالت کو دیکھ کر مسلمان بلبلا اٹھے، پنجاب کے صوبہ دار غازی ملک نے دلی پر چڑھائی کی، خسرو مارا گیا، اور لوگوں نے غازی ملک کو غیاث الدین تغلق کے نام سے بادشاہ بنا دیا، (۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء) اس کی ذات سے بڑی بڑی امیدیں تھیں، لیکن افسوس قضا نے مہلت نہ دی، اور پانچویں برس انتقال ہوگیا اس کے بعد اس کا لڑکا محمد تغلق تخت پر بیٹھا، یہ بڑا بہادر، نہایت عقلمند اور بہت ہی سمجھدار تھا اس نے دیکھا کہ باہر سے برابر حملے ہوتے رہتے ہیں، اس لئے کوشش کی کہ سرحدیں مضبوط ہو جائیں، اس خیال سے اس نے تبت، چین اور خراسان کی فتح کا ارادہ کیا، اور فوجیں روانہ کردیں، لیکن حالات کچھ ایسے

پیش آئے کہ یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا، ملک کے اندر بھی سلطنت بہت بڑھ گئی تھی اب دہلی میں رہ کر سارے صوبوں کی نگرانی اور ضرورت کے وقت فوجوں کی روانگی سخت دشوار تھی، اس لئے محمد تغلق نے بیچ سلطنت میں دولت آباد کو پایۂ تخت بنانا چاہا، سب سامان آگیا تھا کہ اکبار گی مغلوں کے حملے کی خبر ملی، مجبوراً اُسے یوں ہی چھوڑ دینا پڑا،

محمد تغلق نے کچھ دنوں کے لئے تانبہ کا سکہ بھی چلایا، لیکن رعایا کو پسند نہ آیا، تو واپس لے لیا، اور اس کے بدلے سونے کے سکے دیدیئے، ان باتوں کی وجہ سے لوگ اسے دیوانہ کہتے ہیں، لیکن سوچو تو اس میں دیوانگی کی کیا بات ہے، سرحد کی حفاظت اور بیچ میں دار السلطنت بنانے کو کون برا کہہ سکتا ہے، اِس وقت آخر کاغذ کے نوٹ چلتے ہی ہیں، پھر محمد تغلق بیچارے نے تانبے کے سکے چلا کر کیا گناہ کیا تھا، (۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء) میں محمد تغلق کا انتقال ہو گیا، اور اس کا چچازاد بھائی فیروز تغلق تخت پر بیٹھا، یہ بڑا نیک اور دیندار تھا، اس نے اپنے زمانہ میں ملک آباد اور خوشحال کر دیا، چالیس برس کی حکومت کے بعد فیروز کا انتقال ہو گیا، اس کی وفات کے بعد پھر وہی گڑبڑ شروع ہو گئی، ابھی یہ مصیبت ختم نہ ہوئی تھی کہ تیمور آ پہنچا، جب بادشاہی میں کچھ سکت نہ تھی تو رعایا کیا کرتی، نتیجہ یہ ہوا کہ تیمور دہلی پہنچ گیا، اور سارے شہر میں لوٹ مار شروع ہو گئی، تیمور تو کچھ دن کے بعد چلا گیا، لیکن یہاں وہی گڑبڑ رہی، آخر پنجاب کے صوبہ دار سید خضر خاں نے تخت پر قبضہ کر لیا، لیکن دہلی کے آگے ان لوگوں کا اثر کہیں نہ تھا، تمام صوبہ دار اپنی اپنی جگہ مالک بن گئے تھے، کچھ دن تک کسی نہ کسی طرح دہلی کے آس پاس ان لوگوں کی حکومت رہی، آخر ۱۴۵۱ء میں بہلول لودھی نے یہاں بھی قبضہ کر لیا بہلول اور اسکا بیٹا سکندر دونوں بڑے لائق تھے انھوں نے اپنی ہمت و تدبیر سے سلطنت کو آگے بڑھایا اور بہار تک اپنی حکومت قائم کر لی، اگر سکندر کے بعد ایک دو ویسا ہی بادشاہ ہو جاتا تو سلطنت کی جڑیں مضبوط ہو جاتیں لیکن اس کے بیٹے ابراہیم لودھی میں ایسی صلاحیت نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مغل بادشاہ بابر کابل

سے چل کر ہندوستان آیا، پانی پت کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اگرچہ ابراہیم کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی لیکن بابر اس ڈھنگ سے لڑا کہ صرف بارہ ۱۲ ہزار سواروں نے اتنی بڑی فوج کے پیر اکھاڑ دیئے، ابراہیم میدان میں مارا گیا، اور مغلوں کا ہندوستان پر قبضہ ہو گیا، جو تین سو برس تک یہاں حکومت کرتے رہے، (۱۵۲۶ء)

بابر کے بعد ہمایوں تخت پر بیٹھا، لیکن کچھ ہی دن بعد شیر شاہ سوری کے مقابلہ میں شکست کھائی اور ایران کی طرف بھاگنا پڑا،

شیر شاہ کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ اور عقل ایسی دی تھی کہ پانچ ہی برس میں سارے ملک کی کایا پلٹ گئی، لیکن اس کے بعد پھر اس کے خاندان میں ایسے آدمی نہ ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی برس بعد ہمایوں نے پھر ہندوستان کو فتح کر لیا، لیکن اتنے ہی دنوں کی گڑبڑ میں جگہ جگہ ریاستیں قائم ہو گئیں، ہمایوں کوشش کر رہا تھا لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا، ایک دن مغرب کی اذان سن کر کتب خانہ سے اتر رہا تھا، جلدی میں پیر پھسلا تو نیچے آ گیا اور اسی صدمہ سے انتقال کر گیا، اکبر ابھی تیرہ ۱۳ برس کا لڑکا تھا لیکن بیرم خاں کی آتالیقی میں تخت پر بٹھایا گیا، شروع میں بیرم خاں نے اور جوان ہو کر خود اکبر نے سلطنت کا کام اس خوبی سے چلایا کہ تقریباً سارا ہندوستان مغلوں کے قبضہ میں آ گیا، اکبر کے بعد جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر تین اور بڑے زبردست بادشاہ ہوئے ان لوگوں کی ہمت وتدبیر اور مستعدی وبہادری سے سارے ہندوستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور اتر، دکھن، پورب، پچھم ہر طرف انہی کا جھنڈا اڑنے لگا، ویسے تو یہ سب ہی اچھے تھے لیکن عالمگیر سب سے زیادہ دیندار اور مذہب کا پابند تھا، اگر کہیں اس کے بعد دو ایک اور ایسے ہی دیندار اور ہمت والے بادشاہ پیدا ہو جاتے تو ہندوستان میں اسلامی حکومت کی جڑیں ہمیشہ کیلئے مضبوط ہو جاتیں لیکن افسوس کہ اس کے جانشین بڑے کمزور اور بودے نکلے ۱۷۰۷ء میں عالمگیر کی وفات ہوئی، اس کے

سے اس کا بیٹا معظم بہادر شاہ اوّل کے نام سے بادشاہ ہوا، اگرچہ اس میں عالمگیر کی سی شان بھی
لیکن اتنا ڈھنگ تھا کہ پانچ برس تک سلطنت کو تھامے رہا، ۱۷۱۲ء میں اس کا بھی انتقال ہو گیا
اور سلطنت کی چولیں ڈھیلی ہونے لگیں، اب بادشاہت کاہے کو تھی بچوں کا کھیل تھا، امیروں وزیروں
نے جسے چاہا تخت پر بٹھا دیا اور جسے چاہا پکڑ کر قتل کر دیا، جب خاص مرکز کا یہ حال ہوا، تو آگے
ملک میں جو نہ ہو جائے وہ تھوڑا ہے، جگہ جگہ جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور جس کا جہاں جی چاہا
بادشاہ بن بیٹھا، یہی مصیبت کیا کم تھی کہ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا، جس نے مغلوں کی
رہی سہی ساکھ بھی ختم کر دی، نادر شاہ تو لُوٹ مار کر لوٹ گیا، لیکن ہندوستان کی حالت درست ہوئی،
نتیجہ یہ ہوا کہ سارے ملک میں ہڑبونگ مچ گئی، مرہٹوں، راجپوتوں، جاٹوں، اور سکھوں نے اُدھم
مچا دی، بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب مسلمانوں کا یہاں سے چل چلاؤ ہے، اور عنقریب بادشاہت
پر مرہٹوں کا قبضہ ہو جانے والا ہے، لیکن اللہ بھلا کرے، احمد شاہ ابدالی کا، جس نے پانی پت کے
میدان میں ان لوگوں کو شکست دے کر ہمیشہ کے لئے ان کا زور توڑ دیا، احمد شاہ چاہتا تو
ہندوستان میں اپنی حکومت جما لیتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ سلطنت شاہ عالم
کے سپرد کر کے خود واپس چلا گیا۔

دشمنوں کا زور بالکل ٹوٹ چکا تھا، اس وقت پورا موقع تھا کہ سلطنت کو پھر سے مضبوط
کر لیا جائے، لیکن اب ہندوستان کے مسلمانوں میں زندگی کی روح ختم ہو چکی تھی، اس لئے یہ موقع بھی
ہاتھ سے جاتا رہا، اور وہی افراتفری باقی رہی، ادھر انگریزوں کا اثر بڑھ رہا تھا، یہ لوگ پہلے تو
صرف تجارت کی غرض سے آئے تھے، لیکن بعد کو آہستہ آہستہ سلطنت میں دخل دینا شروع کیا، پہلے تو
نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر بنگال پر قبضہ کر لیا (۱۷۵۷ء) پھر بادشاہ دہلی شاہ عالم
بکسر کے مقام پر مقابلہ ہوا (۱۷۶۴ء)، اس لڑائی میں انگریزوں کو جیت ہوئی، اور دہلی سے لیکر بنگال تک اُن کا

قبضہ ہوگیا، شاہ عالم کے لئے چھبیس لاکھ سالانہ پنشن مقرر ہوگئی، جو بعد میں ان کی اولاد کو بھی ملتی رہی، کوئی سو برس تک یہ شکل یونہی چلتی رہی، اور انگریزوں کے سہارے دہلی میں نام کی بادشاہت قائم رہی، اتنے عرصہ میں ہندوستان کے دوسرے رئیسوں اور نوابوں سے مقابلے رہے، جن میں انگریزوں کو فتح ہوئی، آخر ۱۸۵۷ء میں وہ نام کی بادشاہت بھی ختم ہوگئی۔

انگریزوں کی ان فتوحات کے باوجود ہندوستانیوں کے دلوں سے اپنی آزادی کا خیال نکلا نہیں، ۱۸۵۷ء میں اس خیال نے بڑے پیمانے پر جنگ آزادی کی شکل اختیار کی، مسلمان آزادی کی لڑائی میں آگے آگے تھے، بڑے جوش، بہادری اور ہمت کے ساتھ انھوں نے انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی، کئی مہینے تک بڑی لڑائی ہوتی رہی، ابوظفر بہادر شاہ کو بادشاہ بنایا گیا، جنرل بخت خاں اور مولانا احمد اللہ وغیرہ نے جان کی بازی لگادی، ہندوستان کے بہت سے نوابوں، راجاؤں اور سرداروں نے دل کھول کر مدد کی، لوگوں کے جوش اور ولولہ اور بہادری کو دیکھکر خیال ہوتا تھا کہ بس انگریزوں کا چل چلاؤ ہے، لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں میں مل جل کر کام کرنے کا جذبہ کم رہ گیا تھا، ہر شخص اپنی من مانی کارروائی کرنا چاہتا تھا، اور تم جانتے ہو کہ اتفاق و اتحاد کے بغیر کوئی چھوٹا سا کام بھی نہیں چلتا ہے، پھر لڑائی تو بہت ہی مشکل کام ہے۔ اس میں تو بڑے ہی تال میل کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن ادھر سو برس سے ہندوستانیوں میں اتحاد کی جگہ تفرقہ کا دور دورہ تھا، اسیلئے جوش و ولولہ کے باوجود اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی قربانی کے باوجود آزادی کی جنگ میں کامیابی نہ ہوسکی، چند مہینے میں انگریزوں نے سب مورچوں پر ہندوستانیوں کو

شکست دی اور دہلی پر بھی ان کا دوبارہ قبضہ ہوگیا، ہزاروں آدمیوں کو پھانسیاں دی گئیں، گولیوں سے اڑایا گیا، اور ایسی سختیاں کی گئیں کہ سارا ملک تھرا گیا، شاہ دہلی ابوظفر بہادر شاہ کو گرفتار کر کے لال قلعہ سے نکال کر ان کو برما میں قید کیا گیا، دوسرے راجاؤں اور نوابوں کو بھی سخت سزائیں دی گئیں،

انگریزوں نے ان سختیوں کے بعد یہ سمجھ لیا کہ بس اب آزادی کا جذبہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا، مگر ان کا یہ خیال غلط نکلا، آزادی کی تحریک کچھ عرصہ کے لیے دب گئی، لیکن دلوں میں یہ خیال برابر موجود رہا، اور ۱۸۵۷ء کے چند برس بعد آزادی کی تحریک دوسرے ڈھنگ سے شروع ہوئی، اب میدان جنگ کی جگہ سیاسی جوڑ توڑ سے کام لیا جانے لگا، آزادی کا مطالبہ بڑی جرأت کے ساتھ کیا گیا، اس کے لئے پوری کوشش کی گئی، طرح طرح کی تحریکیں چلائی گئیں، اور انگریزوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ہندوستان کو آزاد کردیں، ہندوستانی مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بہت نقصان پہنچا تھا، انگریزوں نے خاص طور سے ان پر دل ہلادینے والے ظلم کیے تھے، تاکہ ان کو پھر کبھی ان کے خلاف کھڑے ہونے کی ہمّت نہ ہو، مگر آزادی کا جذبہ مسلمانوں کے خمیر میں داخل ہے، پھر مسلمان کس طرح نچلے بیٹھ سکتے تھے انھوں نے بھی دل کھول کر اس آزادی کی مہم میں حصہ لیا، نہ کسی سختی سے گھبرائے، نہ کسی قربانی سے دریغ کیا، تن من دھن سے اس کام میں لگے رہے، آخر خدا نے اس ہمت کا یہ بدلہ دیا کہ انگریزوں نے آزادی کا اعلان کردیا،

اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوگیا، اس موقع پر آزادی کی لڑائی میں حصہ لینے والے بہت سے مسلمان رہنماؤں کا خیال تھا کہ ہندوستان میں جس

وفاقی طرز کی بھی حکومت بنائی جائے مسلمان اس میں شامل رہیں اور ان کے مخصوص حقوق کا ملک کے قانون میں لحاظ رکھا جائے، بہت سے تجربہ کار مسلمان رہنما اس تجویز کو پسند کرتے تھے لیکن مسلمانوں کی اکثریت نے اپنی علیحدہ حکومت کا مطالبہ کیا، ان کے اس مطالبہ پر مسلم اکثریت کے علاقے (مغربی پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد اور مشرقی بنگال) ہندوستان سے علیحدہ ہوگئے اور پاکستان کے نام سے ایک مسلم سلطنت قائم ہوگئی ۱۹۷۱ء میں مشرقی بنگال علیحدہ ہوگیا، اور بنگلہ دیش کے نام سے نئی سلطنت قائم ہوگئی، ۱۵ اگست ۱۹۷۵ء کو شیخ مجیب الرحمٰن مارے گئے اور مشتاق احمد صدر ہوگئے،

انگریزوں کے زمانہ میں برطانوی ہندوستان کے علاوہ پرانے زمانہ کی بہت سی ریاستیں بھی تھیں، جہاں انگریزوں کی نگرانی میں ہندوستانی نواب اور راجا حکومت کرتے تھے، مگر ہندوستان کی آزادی کے بعد یہ ریاستیں ختم ہو کر ہندوستان اور پاکستان کی سلطنتوں میں شامل ہوگئیں، پہلے انکے حاکموں کا گذارہ مقرر کر دیا گیا تھا مگر ۱۹۷۲ء میں وہ بھی ختم کر دیا گیا،

اس تقسیم سے مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہوگئے ہیں، آدھے پاکستان میں اور آدھے ہندوستان میں، اس بٹوارہ سے ہندوستانی مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا، ان کی حالت کمزور ہوگئی اور انھیں بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ بڑی ہمت سے اپنی جگہ جمے ہیں، اور ان مشکلات کو حل کرنے کے لیے بڑی عقل اور تدبیر سے کام کر رہے ہیں ان کی اس کوشش کا اچھا نتیجہ نکل رہا ہے، اور حالات بہتر ہوتے جا رہے ہیں، ہندوستانی مسلمان اپنی تعداد، صلاحیت، اور خصوصیت کی وجہ سے بہت اہمیت رکھتے ہیں، امید ہے کہ آیندہ انکی صلاحیتوں کے جوہر چمکیں گے اور اس ملک کی تعمیر و ترقی میں ان کا بڑا حصہ ہوگا، انکی بدولت اسلام کی خدمت کی نئی راہیں کھلیں گی اور اسلامی علوم وفنون اور اسلامی تہذیب وتمدن کے سدا بہار باغ میں ان کے دم سے نئے گل بوٹے کھلیں گے. صدرِ ہند فخر الدین علی احمد اور اندرا گاندھی وزیر اعظم ہیں،

نواں باب

خاتمہ

(۱)
موجودہ حالت

عزیزو! پچھلے صفحوں میں تم اپنی بادشاہت کے پونے چودہ سو برس کے واقعات پڑھ چکے ہو، یہ تمھارے بزرگوں کے قصے تھے، اب کچھ اپنا اور اپنے زمانہ کا حال بھی سنو۔
اس زمانہ میں اموی، عباسی اور عثمانی خلافت کی طرح کوئی ایک بڑی اور مرکزی سلطنت تو موجود نہیں ہے، مگر علحدہ علحدہ بہت سی چھوٹی بڑی حکومتیں دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں، ان کے نام اور مختصر حالات نیچے لکھے جا رہے ہیں۔

۱- ہندوستان کی تاریخ پچھلے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی کے ساتھ اس کی تقسیم کا بھی اعلان ہوا، اور ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو **پاکستان** کے نام سے ایک نئی مسلم حکومت قائم ہو گئی۔ ۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء کو اس نے اپنے کو جمہوریۂ اسلامیہ قرار دیا، پہلے اسکے دو حصے تھے، ایک مغربی پاکستان جس میں صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان اور مغربی پنجاب شامل ہیں اور دوسرا حصہ مشرقی پاکستان

کہلاتا تھا جس میں پوربی بنگال اور تھوڑا سا حصہ آسام کا شامل تھا، مغربی پاکستان کا پایہ تخت لاہور اور مشرقی پاکستان کا ڈھاکہ تھا، دونوں حصوں سے مل کر مرکزی پاکستانی حکومت بنتی تھی، کل سلطنت کا رقبہ ۳۶۴۷۳۷ مربع میل تھا، اور آبادی ۹۳۸۱۲۰۰۰ تھی، شروع میں پایہ تخت کراچی تھا، مگر کچھ عرصہ سے راولپنڈی سے متصل اسلام آباد صدر مقام قرار پا گیا ہے، ۱۹۷۱ء کے بعد فوجی حکومت ختم ہو گئی، اور عوام کے نمائندوں کو حکمرانی کے حقوق حاصل ہو گئے ہیں، مشرقی حصہ بنگلہ دیش کے نام سے الگ ہو گیا ہے۔ اسکے صدر مشتاق احمد ہیں اور پاکستان کے صدر فضل الٰہی اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم ہیں۔

۲۔ پاکستان کے پچھم میں افغانستان ہے، اس کا رقبہ ۲۵۰۰۰۰ مربع میل ہے اور آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ (۱۲۰۰۰۰۰۰) کے قریب ہے، پایہ تخت کابل ہے، پہلے شاہی حکومت تھی مگر تھوڑا عرصہ ہوا ظاہر شاہ کو ہٹا کر داؤد خاں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔

۳۔ افغانستان سے ملا ہوا پچھم میں ملک ایران ہے اس کا رقبہ ۱۶۴۸۰۰۰ مربع کیلو میٹر اور آبادی ۱۸۹۴۴۸۲۱ ہے، پایہ تخت طہران ہے، اور بادشاہ محمد رضا شاہ پہلوی ہیں،

۴۔ ایران سے ملا ہوا ترکوں کا ملک ہے، اب تک یہاں عثمانی ترکوں کی سی بڑی سلطنت تو نہیں ہے، مگر پھر بھی اچھی خاصی طاقتور اور آزاد حکومت قائم ہے جس کا رقبہ ۷۶۷۱۱۹ مربع کیلو میٹر ہے، اور آبادی ۳۱۸۹۰۸۰۷۲ ہے، یہاں بھی آج کل نیم فوجی حکومت ہے[1]، پایہ تخت انقرہ (انگورہ) ہے[1]، صدر کا نام کروترک ہے،

[1] مصطفیٰ کمال نے جب خلافت ختم کرکے آزاد حکومت قائم کی تو ترکوں میں قومیت کا جذبہ بہت زیادہ پیدا ہوا، مگر اب پھر اسلامی رنگ آرہا ہے،

۵۔ مصر میں بادشاہت ختم ہوگئی ہے، اور ایک فوجی انقلاب کے ذریعہ شاہ فاروق کو ملک سے نکال کر فوجی اشخاص کی رہنمائی میں انتخابی حکومت قائم ہوئی، رقبہ ۳۸۶۱۹۸ مربع میل ہے، اور آبادی ۲۶۰۶۵۰۰۰ ہے۔ صدر مقام قاہرہ ہے۔ اور صدر مملکت انورالسادات ہیں،

۶۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس شہر **سعودی عرب** کی سلطنت میں شامل ہیں، نجد و حجاز اس کے دو بڑے حصے ہیں سارے مملکت کا پایہ تخت ریاض ہے اور حجاز کا مرکزی شہر مکہ معظمہ مذہبی حیثیت سے صدر مقام ہے، شاہ خالد موجودہ فرمانروا ہیں۔ آبادی پچاس لاکھ سے زیادہ ہے۔ تیل یہاں کی بڑی دولت ہے، امریکن آئیل کمپنی کو تیل کا ٹھیکہ ملا ہے۔ ظہران اس کمپنی کا مرکز ہے، ملک کا نظام بادشاہی ہے،

۷۔ **عراق** انگریزوں سے آزادی حاصل کر کے ایک آزاد مسلم سلطنت بن چکا ہے چند برس پہلے وہاں بادشاہت قائم تھی۔ لیکن چند برس ہوئے فوجی انقلاب کے ذریعہ بادشاہت ختم ہوگئی، اور ۱۴ر جولائی ۱۹۵۸ء کو جنرل عبدالکریم قاسم کی سرکردگی میں جمہوریہ عراقیہ قائم ہوگئی، رقبہ ۴۵۶۱۵۱ مربع کیلومیٹر ہے، اور آبادی ۶۴۱۳۶۵۸ ہے، موجودہ فرمانروا کا نام جنرل احمد حسن بکر ہے، پایۂ تخت بغداد ہے۔

۸۔ اردن میں شاہی نظام جاری ہے، شاہ حسین بادشاہ ہیں، رقبہ ۹۶۵۰۰ کیلومیٹر ہے۔ اور آبادی ۱۶۹۰۰۰۰ ہے، پایۂ تخت عمان ہے، بیت المقدس کا متبرک شہر بھی اردن ہی میں ہے،

۹۔ **شام** (جمہوریۂ سوریہ) کا رقبہ ۱۸۴۹۲۰ مربع کیلومیٹر (۷۲۲۳۴ مربع میل) ہے،

اور آبادی ۴۶۵۶۶۸۸ ہے۔ پایۂ تخت دمشق ہے، اور موجودہ سربراہ حکومت کا نام حافظ الاسد ہے۔ چند برس پہلے مصر سے مل کر شام و مصر کی متحدہ عرب سلطنت بنی تھی، مگر تھوڑا عرصہ ہوا اتحاد ختم ہوگیا اور شام کی حکومت مصر سے علیٰحدہ ہوگئی، حکمراں بعث پارٹی اشتراکیت سے متاثر ہے،

۱۰۔ **یمن** میں پہلے خاندانی بادشاہت قائم تھی، مگر تھوڑا عرصہ ہوا وہاں بھی فوجی انقلاب کے ذریعہ بادشاہت ختم کردی گئی، کل رقبہ ۷۵۰۰۰ مربع میل ہے اور آبادی ۴۵ لاکھ ہے پہلے پورے یمن کا پایۂ تخت صنعا تھا، مگر اب یمن کے شمالی اور جنوبی دو حصے ہوگئے ہیں شمالی کا صنعا اور جنوبی کا عدن پایۂ تخت ہے۔

۱۱۔ **سوڈان** پہلے انگریزوں کے ماتحت تھا، ۱۹۵۶ء میں آزادی حاصل ہوئی رقبہ ۹۶۷۵۰۰ مربع میل ہے اور آبادی ۱۱۹۲۸۰۰۰، پایۂ تخت خرطوم ہے اور موجودہ سربراہ حکومت جنرل نمیری ہیں، انتظام حکومت میں فوجی افسروں کا کافی دخل ہے۔

۱۲۔ **صومالیہ** کو بڑی جدوجہد کے بعد یکم جولائی ۱۹۶۰ء کو آزادی نصیب ہوئی، اس کا رقبہ ۶۳۷،۶۶۰ مربع کیلومیٹر ہے اور آبادی ۱۸۷۰۰۰۰ ہے ۱۹۶۹ء میں یہاں بھی فوجی انقلاب ہوگیا، موجودہ صدر محمد سیاد میری ہیں اور پایۂ تخت موگا ڈسو (مقدشو) ہے۔

۱۳۔ **لیبیا** کا ذکر پہلے طرابلس کے نام سے تم سن چکے ہو، اٹلی نے ترکوں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کرلیا تھا۔ طرابلس کے مسلمان مدتوں ان کے ماتحت بہت پریشان رہے آخرکار ۱۹۵۱ء میں اسے آزادی حاصل ہوئی، کچھ عرصہ محمد ادریس سنوسی بادشاہ رہے مگر چند برس ہوئے فوجی انقلاب ہوگیا اب کرنل معمر قذافی صدر ہیں، رقبہ ۱۷۵۹۵۴۰ مربع کیلومیٹر (۶۷۹۳۵۸ مربع میل) ہے اور آبادی ۱۱۰۹۱۸۳ ہے)

(۱۴)

الجیریا (الجزائر)

عثمانی ترکوں کی کمزوری کے زمانہ میں الجزائر پر فرانس نے قبضہ کرلیا تھا، اس کے بعد بہتیری کوششیں ہوئیں کہ فرانس سے چھٹکارا مل جائے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی، امیر عبدالقادر کی ناکامی کے بعد آزادی کے حوصلے پست ہوگئے۔ لیکن غلامی کی تکلیفیں ایسی سخت تھیں کہ رہ رہ کر آزادی کی آرزو دلوں میں پیدا ہوتی تھی، پچھلے دس برسوں میں یہ جذبہ بہت بڑھ گیا اور غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لئے الجزائری مجاہدوں نے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ لاکھوں نوجوانوں نے اس کوشش میں جان دیدی، آخر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۹۶۲ء میں الجیریا آزاد ہوگیا، ملک کا رقبہ ۲۹۵۰۳۳ مربع کیلومیٹر ہے، اس کے علاوہ صحرا کا رقبہ ۲۱۷۱۸۰۰ مربع کیلومیٹر ہے، آبادی ۱۰۱۹۷۰۰۰ ہے، پایۂ تخت الجزائر ہے، اور کرنل بومدین صدر ہیں۔

۱۵- الجزائر کے قریب ٹیونس ہے، کسی زمانہ میں اس کی سمندری طاقت کی دنیا میں بڑی دھاک تھی، لیکن آہستہ آہستہ ترکی خلافت کی کمزوری کے ساتھ یہ علاقہ بھی کمزور ہوتا گیا، آخر کار یہاں بھی فرانس کا قبضہ ہوگیا، لیکن مسلم نوجوانوں کے دل آزادی کی تمنا سے کبھی خالی نہیں ہوئے، فرانس کے چنگل سے رہائی بہت مشکل تھی، لیکن منچلے بہادروں نے جان کی بازی لگادی، آخر کار مارچ ۱۹۵۶ء میں ٹیونس کو آزادی مل گئی، ملک کا

رقبہ ۱۶۴۱۵۰ مربع کیلو میٹر ہے اور آبادی چالیس لاکھ ہے، شہر تونس پایہ تخت ہے اور جیب بورقیبہ صدر مملکت ہیں،

۱۶۔ مراکو (مراکش) کسی زمانہ میں اسلامی عظمت وشوکت کا مرکز تھا، طارق نے یہیں سے نکل کر اسپین کو فتح کیا تھا۔ یوسف بن تاشفین اور عبدالمومن کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز یہی ملک تھا، لیکن ایک صدی سے اس ملک کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی یہاں تک کہ اپنی آزادی بھی برقرار نہ رکھ سکا اور فرانس واسپین کی ماتحتی پر مجبور ہوجانا پڑا مگر غلامی کی تکلیفیں برابر آزادی کا احساس دلاتی رہیں اور باہمت مجاہد ملک وملت کی عزت کے لئے جان ومال کی قربانیاں پیش کرتے رہے۔ آخر ان کی کوششیں کامیاب ہوئیں ۱۹۵۲ء میں مراکو کو مکمل آزادی حاصل ہوئی، ملک کا رقبہ ۴۵۰۰۰۰ کیلومیٹر ہے اور آبادی ایک کرور سولہ لاکھ ہے، موجودہ بادشاہ کا نام حسن ثانی ہے، حکومت کا نظام بادشاہی ہے، مگر موجودہ بادشاہ اپنے آزادی پسند مزاج اور حریت نواز طبیعت کی وجہ سے ملک کے تمام طبقوں میں مقبول ہیں، اور ان کی رہنمائی میں ملک تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔

۱۷۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء سے افریقہ میں ایک اور بڑی آزاد مسلم حکومت نائجیریا وجود میں آئی ہے، اس مملکت کا رقبہ ۳۳۹۱۷۰ مربع میل ہے اور آبادی ۳۵۲۹۷۰۰۰ ہے، یہاں بھی کچھ عرصہ سے فوجی حکومت قائم ہوگئی ہے، پایہ تخت لاغوث (Lagos) ہے،

۱۸۔ جمہوریہ مالی بھی افریقہ کا ایک بڑا ملک ہے، اس میں مسلمانوں کی آبادی ۹۲ فی صدی ہے، ستمبر ۱۹۶۰ء میں اسے آزادی ملی، رقبہ ۱۲۰۴۰۲۱ مربع کیلو میٹر ہے۔ اور آبادی ۴۳۰۷۰۰۰ ہے، پایہ تخت باماکو ہے۔ موجودہ صدر کا افریقی نام

موو ہو کنیا ہے۔ یہ سلطنت گھانا کے وفاق میں شامل ہے، یوگنڈا کے صدر عیدی امین ہیں

۱۹- جون ۱۹۶۱ء میں کویت کی چھوٹی سی ریاست کو بھی آزادی نصیب ہوئی ہے اس کا رقبہ ۵۸۰۰ مربع میل ہے اور آبادی ۳۲۱۶۲۱ ہے۔ موجودہ فرمانروا کا نام صباح سالم الصباح ہے۔ اپنے تیل کے چشموں کی وجہ سے یہ بڑی دولتمند سلطنت ہے۔

۲۰- **لبنان** پہلے شام میں شامل تھا، لیکن ترکوں کی شکست کے بعد جب ترکی سلطنت کے حصے بخرے ہوئے تو لبنان شام سے علیحدہ کر دیا گیا۔ یہاں کی آبادی میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی تعداد تقریباً برابر ہے مسلمانوں کا پلہ کسی قدر بھاری ہے۔ باہمی معاہدہ کے مطابق صدر مملکت عیسائی ہوتا ہے، وزیر اعظم سنی مسلمان اور پارلیمنٹ کا صدر شیعہ مسلمان ہوتا ہے۔ علمی ترقی کے اعتبار سے یہ ملک بہت ممتاز ہے۔ بیروت کی یونیورسٹی اور پریس بہت مشہور ہے۔ رقبہ ۴۰۰۰ ۳ مربع میل اور آبادی ۱۶۲۶۰۰۰ ہے -

گزشتہ سال بڑے ہنگامے رہے اب صلح ہوئی ہے الیاس سرکیس صدر ہوئے ہیں،

۲۱ تا ۲۶- بحرین، قطر، مسقط، عمان، زنجبار اور مالدیپ چھوٹے چھوٹے ملک ہیں۔ جہاں مسلمان حکمراں انگریزوں کی سرپرستی میں حکومت کرتے ہیں، **مالدیپ** کا رقبہ ۱۱۵ مربع میل اور آبادی ۹۰۰۰۰ ہے۔ صدر مقام نالے (NALE) ہے۔ اور حکمراں کا نام محمد فرید دیدی ہے، حال میں وہاں انقلاب ہوگیا ہے،

مسقط و عمان کے فرماں روا کا نام سعید بن تیمور ہے۔ ۸۲۰۰۰ ہزار مربع میل رقبہ ہے اور آبادی ۵۵۰۰۰۰ ہے۔ **زنجبار** کا رقبہ ۳۸۰ مربع میل ہے اور آبادی ۲۹۹۱۱۱ ہے موجودہ حکمراں کا نام سلطان سید سر خلیفہ ابن حروب تھا مگر اب تنزانیہ میں شامل ہوگیا ہے جس کا پایہ تخت دارالسلام ہے،

۲۷- ایشیا میں بھی چند نئی مسلم حکومتیں حال ہی میں قائم ہوئی ہیں۔ **انڈونیشیا**

کئی سو برس سے ہالینڈ کی ڈچ حکومت کے قبضہ میں تھا۔ ان لوگوں نے بڑی سختی سے حکومت کی اور کوشش کی کہ آزادی کی ہمت کبھی نہ پیدا ہو سکے، مگر غلامی انسانی فطرت کے خلاف ہے دلوں میں آزادی کی تمنا پیدا ہوتی رہی، آخر کار صدیوں کی غلامی کے بعد ۲۷ دسمبر ۱۹۴۹ء کو انڈونیشیا آزاد ہو گیا، اس سلطنت کا رقبہ ۔۔۔۔ ۱۹ مربع کیلو میٹر ہے، اور آبادی ۹۵۸۸۹۰۰۰، پایہ تخت جاکرتا ہے جنرل سہارتو صدر اور وزیر اعظم کے فرائض انجام دیتے ہیں

۲۸ - **ملایا**۔ انگریزوں کے ماتحت تھا، اور چھوٹے چھوٹے راجہ اور سلطان ان کی نگرانی اور ماتحتی میں اپنے اپنے علاقوں میں حکومت کرتے تھے، یہاں کے باشندوں کی دلی آرزو تھی کہ ان کو بھی آزادی نصیب ہو۔ اس کے لئے وہ عرصہ سے کوشش کر رہے تھے، آخر کار ان لوگوں کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور ۳۱ اگست ۱۹۵۷ء کو ملایا نے ایک آزاد سلطنت کی شکل اختیار کی۔ سب چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے آپس میں سمجھوتہ کر کے ایک مرکزی (وفاقی) حکومت **ملیشیا** کے نام سے بنائی ہے جس کے موجودہ وزیر اعظم حسین عون ہیں،

اس سلطنت کا رقبہ ۵۰۶۹۰ مربع میل ہے اور آبادی ۶۹۰۹۰۰۹ ہے، پایہ تخت کوالالمپور (KUALALAMPUR) ہے،

ان آزاد اسلامی حکومتوں کے علاوہ مسلمان دنیا کے تمام ملکوں میں آباد ہیں۔ چینی ترکستان میں ان کی تعداد کروروں تک پہنچتی ہے، اسی طرح روسی ترکستان، قفقاز، کرغستان وغیرہ روسی علاقوں میں وہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں، بلقان کی ریاستوں میں بھی ان کی اچھی بڑی تعداد ہے، البانیہ میں تو مسلمان نوے فیصدی ہیں، حبش (ایتھوپیا) میں ان کی اکثریت ہے۔ اسی طرح یورپ، ایشیا، افریقہ اور

امریکہ کے ہر ملک میں کچھ نہ کچھ مسلمان ضرور آباد ہیں وہاں انکی مسجدیں اور تعلیمی اور تہذیبی ادارے ہیں، مسلمان ملکوں میں ہر طرح کا سامان بھی پایا جاتا ہے۔ صرف باہمی اتحاد کی کمی ہے۔ سید جمال الدین افغانی نے مسلمانوں کو آپس میں متحد ہونے کی دعوت دی ان کے بعد ان کے شاگردوں اور معتقدوں نے بھی اسلامی اتحاد کی ترغیب دی، ان کی اس آواز نے اس وقت دلوں کو متاثر کیا۔ لیکن غرض مندوں نے ان کے اس خیال کو عمل میں نہ آنے دیا، اور مسلمان ملکوں کا وفاق اور مسلمان قوموں کا اتحاد اب تک ایک خیال ہی ہے۔ حالانکہ ایمان کا تقاضا اور وقت کی پکار یہی ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے فاس[1] کے ساحل سے لیکر تا بجاک جاکرتہ[2]

---

[1] فاس مراکو کا مشہور شہر ہے۔

[2] جاکرتا پایہ تخت انڈونیشیا۔ اس شعر کا پہلا مصرعہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کا ہے، دوسرے مصرع میں حالات کی رعایت سے کسی قدر لفظی تغیر کر دیا گیا ہے۔

(۲)

تاریخی سبق

اب ہم سرے پر آگئے ہیں، چودہ سو برس کی تاریخ ختم ہو رہی ہے اور یہ کتاب ختم ہونے کو ہے، لیکن آخری ورق اُلٹنے سے پہلے آؤ تھوڑی دیر کے لئے اس ساری داستان پر پھر ایک نظر ڈال لیں اور دیکھیں کہ چودہ سو برس کی یہ کہانی ہمیں کیا سبق دیتی ہے،

کتاب کے شروع میں تم پڑھ چکے ہو کہ پہلے ساری دنیا میں کیسا اندھیرا پھیلا ہوا تھا پھر تم نے دیکھا کہ مکہ سے ایک سورج نکلا جس نے دیکھتے دیکھتے ساری دنیا کو جگمگادیا، حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صفا پر کھڑے ہو کر اللہ کی پکار سنائی، تو دنیا ہنسی اور لوگوں نے مذاق اڑایا کہ اس حوصلہ کو دیکھئے اور ان کو دیکھئے۔ اس فقیری اور غریبی پر دنیا کی اصلاح کی آرزو دیوانہ پن نہیں تو اور کیا ہے، لیکن چند ہی برس میں دشمنوں کے سر جھکے ہوئے تھے، اور ساری دنیا قدموں کے نیچے تھی، عرب کے بدوؤں نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے اور ساری دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا، ایک طرف عروج و ترقی کی یہ انتہا دوسری طرف زوال شروع ہوا تو ایسا

کہ آج کہیں سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملتی، آؤ ذرا ٹھہر کر سوچیں کہ اس عروج و زوال کا راز کیا ہے،

اصل بات یہ ہے کہ بلا کسی اچھے اور بلند خیال کے انسان صرف ذرا ذرا سی باتوں میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے، یہی حال عرب کا بھی تھا، لیکن اسلام نے بتایا کہ آدمی اور جانور میں فرق ہے، کھاتے پیتے تو جانور بھی ہیں، پھر اگر آدمی بھی صرف اسی کا ہو جائے، تو اس میں اور جانور میں کیا فرق رہا، اب تک لوگ یہ سمجھتے تھے کہ بس یہی زندگی سب کچھ ہے، اس کے بعد نہ کہیں حساب ہے نہ کتاب، نہ عذاب ہے نہ ثواب نہ جنت ہے نہ دوزخ انسانوں کی یہی وہ سب سے بڑی غلطی تھی جس نے اُنھیں صدیوں گمراہ رکھا اور اُن کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر کر دی، وہ چوری کرتے ڈاکے ڈالتے لوگوں کی جانیں لیتے، اور جو کچھ ان کے جی میں آتا کرتے رہتے، لیکن کبھی دل میں کھٹک بھی نہ ہوتی اور ہوتی بھی کیوں وہ تو آخرت کے قائل ہی نہ تھے، انھیں ڈر تو جب ہوتا جب وہ یہ سمجھتے کہ اس چار دن کی زندگی کے بعد ایک دوسری دنیا میں جانا ہے، اور ایک ایسے حاکم کے سامنے بھلائی برائی اور نیکی بدی کا ذرا ذرا سا حساب دینا ہے جن کے سامنے نہ رشوت چل سکتی ہے نہ سفارش کام دے سکتی ہے نہ کوئی چیز چھپ سکتی ہے، چھپا کھلا سب اُس کے سامنے ہے، وہاں ہر چیز کا پورا پورا حساب ہوگا، پھر یا تو آرام وچین کی زندگی شروع ہوگی، یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے آگ میں جلنا اور تکلیف اُٹھانا ہوگا، اسلام نے صفائی سے کہا کہ دنیا کی زندگی کو ایک کھیل تماشا سمجھو، جہاں آنکھ بند ہوئی یہ قصہ ختم اُس نے کہا یہ کتنی بڑی نادانی ہے کہ ہم اس چار دن کی زندگی پر اتنا بھول جائیں کہ اپنی اصلی زندگی کو خراب کر لیں،

اسلام نے کچھ اس طرح یہ باتیں سنائیں کہ ایک ایک لفظ دل میں اتر گیا، اور

اللہ کا دھیان اور آخرت کا خیال دماغ میں ایسا رچ گیا کہ آناً فاناً بدی اور بدکاری کی عادتیں چھوٹ گئیں، اور لوگ شیطانوں کی جماعت سے نکل کر فرشتوں کی صف میں آ بیٹھے، اب نہ دنیا کی ان کے نزدیک کوئی قدر تھی نہ اس کی زندگی کی کوئی قیمت اللہ کی رضامندی ان کا مقصد اور آخرت کی طلب ان کی غرض تھی، زندہ رہتے تو اس لئے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور جان دیتے تو دم اسی کے نام پر نکلتا، خیال یعنی ایمان اور عقیدہ کی اس تبدیلی نے زندگی کا رُخ بدل دیا، اور دم کے دم میں وہ ذلت کے گڑھے سے نکل کر عزت کے تخت پر جا بیٹھے، پہلے جن کے سامنے اُن کے سر جھکتے تھے اب وہی ان کے پیچھے ہاتھ باندھے پھر رہے تھے،

اسلام کی شروع کی ساری تاریخ پڑھ جاؤ، تمھیں قدم قدم پر ایمان و عقیدہ کی یہی شان نظر آئے گی، اور معلوم ہوگا، کہ اسی کے زور میں مسلمان بڑھتے جارہے ہیں، لیکن بعد کو ایمان میں پھر کمزوری آنے لگی، اللہ کا خیال کم ہوا، اور آخرت کی جگہ دنیا کی محبت بڑھی، حکومت و سلطنت کی ہوس اور مال و دولت کی آرزو نے عقل کو اندھا اور دل کو سیاہ کر دیا اور بات بات پر جھگڑے فساد ہونے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سلطنت سیکڑوں حکومتوں میں بٹ گئی اور ایک قوم کے ہزاروں فرقے ہو گئے۔

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت سے یہ فتنہ شروع ہوا اور آج تک قائم ہے، کہیں امیروں سے بغاوت ہے، کہیں سرداروں کے خلاف کارروائی ہے، کہیں لیڈروں پر طعنے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ قوم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے اور گھر گھر فساد ہو رہا ہے، تمھارے سامنے دونوں نمونے ہیں، تم نے دیکھا کہ ایمان کے زور نے مٹھی بھر آدمیوں

کو ساری دنیا پر فتح دی، اور دم کے دم میں عرب کے بدو قیصر و کسریٰ کے تخت پر جا بیٹھے اور اب یہ بھی تمہارے سامنے ہے، کہ ایمان کی کمزوری نے کروروں کی قوم کو غلام و ذلیل بنا رکھا ہے،

آؤ تاریخ کی اس روشنی میں ہم اپنے ایمان کو مضبوط کرلیں اور ایک بار پھر دنیا کے اندھیرے میں اجالا کردیں،

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

ہراساں اور غمگین مت ہو، اگر ایمان والے ہو تو سر بلندی تمہارے لئے ہے،